ترجمان القرآن

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

اکتوبر

ترجمۂ قرآن مجید

مع مختصر حواشی

سیّد ابوالاعلیٰ مودودی

اس میں

مترجم نے قرآنِ حکیم کے متن اور تفہیم القرآن کے ترجمے کے ساتھ بہت مختصر حواشی درج کردیے ہیں تاکہ عام لوگ جو قرآن مجید کا سیدھا سادہ مفہوم سمجھنا چاہتے ہیں وہ ایک ہی جلد میں تفہیم القرآن کے خلاصے سے فائدہ اُٹھاسکیں۔

دُوسرا ایڈیشن ◉ ہدیہ = ۹۰/ روپے

اِدارہ ترجمان القرآن ○ اچھرہ ○ لاہور

فون نمبر : ۴۱۰۳۱۶

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ماہنامہ ترجمان القرآن لاہور

جلد : ۹۴

عدد : ۲

اکتوبر ۱۹۸۰ء مطابق ذوالحجہ ۱۴۰۰ھ

ماہنامہ ترجمان القرآن

۵۔اے ذیلدار پارک۔ اچھرہ۔ لاہور

فون : ۴۱۰۳۱۶

قیمت : ۵/- روپے

سید حسین فاروق مودودی پرنٹر پبلشر نے ایچ۔ فاروق ایسوسی ایٹس لمیٹڈ لاہور سے چھپوا کر دفتر ترجمان القرآن اچھرہ لاہور سے شائع کیا۔

اِدارۂ ترجمان القرآن کی نئی پیشکش

جناب محمد صلاح الدین صاحب مدیر "جسارت"

کے قلم سے

بُنیادی حقوق

پیش لفظ

مولانا سیّد ابو الاعلیٰ مودودی

حرفِ آغاز

محمد صلاح الدین

○

کاغذ ولائتی — طباعت آفسٹ — کور خوبصورت

سائز ۲۲×۱۸/۸

○

قیمت: بیس ۲۰ روپے

○

اِدارۂ ترجمان القرآن، اِچھرہ، لاہور

تعارف

" انٹرویو نمبر" پیشِ خدمت ہے ۔

بدقسمتی سے بعض ناگزیر وجوہ کے زیرِ اثر ترجمان القرآن کی مجوزہ و اعلان کردہ اشاعتِ خاص بیادو تذکرۂ مولانا مودودیؒ التوا در التوا کے چکر میں پڑی ہوئی ہے ۔ اس کے لیے چند مضامین و تاثرات کے علاوہ مولینائے مغفور کے خطوط کا اچھا خاصا ذخیرہ موصول ہو چکا ہے ۔ بڑا کام یہ باقی ہے کہ ہمیں اپنے نقشۂ کار کے مطابق پاکستان اور عالمِ اسلام کی خاص خاص شخصیتوں سے بعض اہم موضوعات پر جو مقالات لکھوانے ہیں ، اُن کا کام معطل ہے ۔ نمبر کا اتنا بھاری نقشہ سامنے ہے کہ وہ بھاری مصارف بھی مانگتا ہے ضروری نہیں کہ حسبِ ضرورت وقت کے وقت سارا انتظام ہو جائے ۔

اس تھکا دینے والی تاخیر سے خود اپنا ذہن بھی بے چین ہوتا ہے ۔ چنانچہ یکایک یہ نئی تجویز دل سے اُبھری کہ مولینائے مغفور کا ایک غیر شائع شدہ اور غیر نشر شُدہ طویل ریڈیائی انٹرویو جسے مجوزہ اشاعتِ خاص کے لیے محفوظ رکھ لیا تھا ، اس پر مشتمل ایک مختصر نمبر ابھی سے شائع کر دیا جائے ۔ تاکہ سیدِ مغفور کے ایمان و فکر کے اس رس کے تشنگان کے ذرا لب تو تر ہو سکیں ۔

سو یہ پُورا شمارہ انٹرویو نمبر ہے ۔

○

اس انٹرویو کے لیے تحریک ریڈیو پاکستان کی طرف سے تھی ۔ محکمہ ریڈیو ہی نے جناب عبدالقادر حسن اور جناب ضیاء الاسلام انصاری کو مامور کیا تھا کہ مناسب سوالات مرتب کریں اور مولانا سے گفتگوئیں کر کے ان کے جواب حاصل کریں ۔ اس انٹرویو پر ۸ ۔ اپریل ۱۹۷۵ ء کی تاریخ درج ہے ۔ گویا یہ ریکارڈ وفات سے ۴ سال پونے پانچ ماہ پہلے کا ہے ۔ مولیناؒ نے یہ انٹرویو غالباً سوا دو گھنٹے میں دیا ۔

ہمارے ان صحافی دوستوں نے بڑی محنت سے سوالات مرتب کیے ' بلکہ یوں کہیے کہ اُنہوں نے چاروں طرف سے مولینا کو ذہنی محاصرے میں لے کر وقت کے بیشتر سوالات کی بوچھاڑ کر دی ہے ۔ کہا جا سکتا ہے کہ " ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں ! " ترجمہ یہ کہ آپ کے سوالوں نے کسی بھی بحث کو بچ کے نہ جانے دیا ۔ چنانچہ سوالات

کے جواب انٹرویو لینے والوں نے ایک سے زیادہ نشستوں میں حاصل کیے۔ مجھے وقت کا حساب پورا یاد نہیں، بس یہ تصوّر ہے کہ اس پر کئی گھنٹے صرف ہوئے تھے۔

انٹرویو پہلے برقی فیتے (TAPE) پر تھا۔ اسے خاصا وقت صرف کر کے برادرم صفدر علی صاحب نے رؤف طاہر صاحب کے تعاون سے کاغذ پر منتقل کیا۔ ابتدائی ترتیب و تدوین کا کام پروفیسر حفیظ الرحمٰن احسن ایم اے نے انجام دیا۔ اُس وقت ان حضرات کے پیشِ نظر اسے ہفت روزہ "آئین" لاہور میں شائع کرانا تھا۔

جب یہ انٹرویو مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ کے آخری سفرِ امریکہ سے قبل مرتب ہو گیا اور مولانا کے سامنے رکھا گیا تو اُنھوں نے فرمایا کہ اس کی تکمیلی نظرِ ثانی کون کرے گا۔ جب کہ خود ان کے لیے توجہ دینا ممکن نہ تھا۔ غالباً صفدر چوہدری صاحب نے اپنے مخصوص دھیمے سے استفساریہ انداز میں محترم میاں طفیل محمد صاحب کا نام لیا اور مولانائے مغفور نے پورے اطمینان سے جواب دیا کہ بس میاں صاحب ہی یہ کام کریں گے۔ چنانچہ مولانا نے یہ سعادت میاں صاحب کے حصے میں اس طرح ڈالی کہ پھر خود تو لوٹ کے اِدھر دیکھنے کا موقع ہی نہ پایا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ میاں صاحب کی ذہنی ہم آہنگی پر مولانائے مغفور کو کس درجہ اعتماد تھا۔ اور میاں صاحب نے دل لگا کر اس خدمت کو انجام دیا اور اُس اعتماد کا حق ادا کر دیا۔

اِس طرح یہ انٹرویو قابلِ اشاعت ہُوا، جو اب متعدد پہلوؤں سے تاریخی حیثیت اختیار کر گیا تھا۔

○

اس انٹرویو کے مباحث کا تنوع اور سوالوں کے جواب میں مولانائے مغفور کی وسعتِ بیان دونوں چیزیں بڑی اہم ہیں۔ پہلا سوال تحریکِ پاکستان کے متعلق ہے جس کے جواب میں مختصراً پورے تاریخی پس منظر اور اپنے کام کے تسلسل کو بیان کر دیا ہے۔

دُوسرے سوال میں اُس موڑ پر گفتگو ہے جو برِصغیر میں پارلیمانی نظام کے قیام سے آیا اور مسئلہ یہ پیدا ہُوا کہ مُسلمانوں کو متحدہ قومیت کے جال میں پھنسنے سے کیسے بچایا جائے؟

اگلے دو تین سوالوں میں اس کام کا ذکر ہے جس کے نتیجے میں مسلمانوں کے اندر جُداگانہ قومی تشخص کا شعور اُبھرا۔ پھر یہ بحث اُٹھتی ہے کہ پاکستان کس نصب العین کے لیے وجود میں آیا؟ مسلم رائے عام کو کس مقصد کیلئے تیار کیا گیا؟ اگلے سوال کے جواب میں مولانا نے واضح کیا ہے کہ اگر مسلمانوں میں یہ جذبہ پیدا نہ کیا جاتا کہ انہیں اپنے دین کے مطابق اپنی زندگی کا جُداگانہ نظام قائم کرنے کے لیے آزاد و خود مختار ریاست قائم کرنی ہے، تو ان میں سرے سے آزادی کی جدوجہد کے لیے کوئی حرکت پیدا نہ ہوتی۔

پھر دو ایک سوالوں کے جواب اس بحث پر حاوی ہیں کہ کن وجوہ سے مولینا کو آہستہ آہستہ یہ اندازہ ہوتا گیا کہ جس انداز پر مسلمانوں کی تحریک چل رہی ہے اس کے نتیجے میں ایک قومی جمہوری ریاست (SECULAR NATIONAL DEMOCRACY) تو وجود میں آسکتی ہے، مگر صحیح معنوں میں اسلامی ریاست متشکل نہیں ہو سکتی۔

اگلا سوال یہ تھا کہ اس صورتِ حالات میں اسلامی ریاست کو وجود میں لانے کے لیے آپ نے کیا لائحہ عمل اختیار کیا؟ مولینا مغفور وضاحت کرتے ہیں کہ مسلم عوام جس ملک گیر تحریک میں منہمک ہو چکے تھے، چونکہ اس کا رُخ موڑنا ممکن نہ تھا، لہٰذا اس سے کوئی براہِ راست تعرض کیے بغیر ہم نے یہ صورت اختیار کی کہ بالفاظ سیدِ مغفور قیام پاکستان سے پہلے اتنا تعمیری کام کر لیا جائے کہ اس کے قیام کے بعد پیشتر اس کے کہ اس کا نظامِ حکومت سیکولر بنیادوں پر قائم کرنے کے حالات پیدا کیے جائیں، اس میں فوری طور پر اسلامی نظامِ زندگی کے قیام کی بُنیاد ڈالی جا سکے۔" پھر اس سلسلے میں کارکنوں کی تیاری اور تنظیم کے کام کے علاوہ ایسے لٹریچر کی تیاری و اشاعت کا پروگرام بنایا گیا "جو اسلامی حکومت کے حقیقی خدوخال متعین کر کے رکھ دے۔"

پھر انٹرویو لینے والے صحافیوں نے پُوچھا کہ آپ کا کام اور مسلم لیگ کا کام مقصد کے لحاظ سے یکساں تھا، فرق صرف طریقِ کار کا تھا۔ لیکن ایسا کیوں ہوا کہ دونوں تنظیموں کے درمیان مفاہمت یا تو پیدا ہی نہ ہوئی، یا کسی وجہ سے پس منظر میں چلی گئی۔ مولینا مغفور اس کے جواب میں بتاتے ہیں کہ جماعت کے متعلق مسلم لیگ اور تحریکِ پاکستان کی مخالفت کا تاثر جان بُوجھ کر پیدا کیا گیا ہے تاکہ یہ دونوں قوتیں کبھی ہم آہنگ نہ ہو سکیں[1]

اس کے بعد قیامِ پاکستان کے بعد ہونے والی دستوری جدوجہد کی توضیح ہے۔ کئی سوالوں میں اس سلسلے میں

---

[1] ایسی مثالیں موجود ہیں کہ تاریخِ پاکستان پر کتابیں لکھی جاتی ہیں تو انہیں پڑھ کر کوئی نیا آدمی یہ نہیں مان سکتا کہ اس ملک میں مولینا مودودی نام کا کوئی شخص موجود ہے، حالانکہ دُوسری طرف مغربی زبانوں میں پاکستان سے متعلق چھپنے والی بعض کتابوں میں تو مولینا کا ذکر اور حوالے چھائے ہُوئے ہیں ____ اگرچہ مخالفانہ رنگ میں۔ مگر پاکستانی فاضل مصنفین کو تاریخ کے سٹیج سے بھاری بھرکم شخصیتوں کو غائب کر دینے کا فن نظر بندی آتا ہے۔ ایسے صحافی بھی ہیں جو کسی ایسے موضوع پر لکھتے ہُوئے جس کا درجۂ اوّل میں مولینا مودودی سے تعلق ہے، مولینا کی شخصیت سے کترا کر نکل جاتے ہیں۔ اور جو چار و ناچار ذکر کرتے بھی ہیں وہ اس شخصیت کے پیکر کا زیادہ حصّہ چھپا کر رکھتے ہیں اور جتنا سامنے لاتے ہیں، اس پر کوئی نہ کوئی داغ دھبا ڈال دیتے ہیں۔ عُلماء تک میں ایسے کرمفرما بھی ہیں جنہوں نے اگر مولینا کی وفات پر تعزیتی کلمات بھی کہے تو اس سے سات گُنا عبارت میں یہ اعلان فرمایا کہ ہمیں تو ان سے یہ اور یہ اختلافات تھے۔ (و۔ ہ۔ ص)

ہونے والے اعتراضات واشکال زیرِ گفتگو آتے ہیں۔

مولینا مغفور سے کانگریس کے متعلق ان کا نقطۂ نظر پوچھا گیا تو انہوں نے بتایا کہ ۱۹۲۴ء ہی میں میری رائے واضح طور پر کانگریس کے خلاف ہوگئی تھی۔ مولینا نے اس کے تاریخی وجوہ بھی بیان کیے ہیں۔

پھر گفتگو حضراتِ علماء اور ان کی مخالفتوں کی طرف مُڑ جاتی ہے۔

اگلے چند سوالوں میں اُس مؤثر کام کا ذکر ہے جو مولینا نے اپنی تنظیم و تحریک کے ذریعے دستورِ پاکستان کے اساسی اصولوں اور اس کے تفصیلی ڈھانچے کے متعلق مزاحمتوں کے باوجود کیا۔

پُوچھا گیا کہ آیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ آپ کا کیا ہوا کام بے نتیجہ نہیں رہا تو مولینا نے جو جواب دیا اس کا پہلا فقرہ یہ ہے کہ "نہیں" ہماری تحریک ناکام نہیں رہی"۔ ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ ملک کے عوام کو شعوری طور پر ہم خیال بنانے میں ابھی مزید وقت لگے گا۔

پھر انٹرویو لینے والوں نے جبری انقلاب کے طریقے کا ذکر چھیڑا کہ بعض ایسی ریاستیں ہیں کہ عوام ایک خاص نظریے کے قائل نہ تھے، مگر اقتدار پر قابض ہو کر ایک گروہ نے لوگوں کو زبردستی اپنے رنگ میں رنگ لیا۔ اس کا صاف صاف جواب مولینا یہ دیتے ہیں کہ "یہ دھوکا بازی ہم نہیں کر سکتے"۔

اس سلسلے میں سوالوں کا مزید اُلٹ پھیر ہوتا ہے تو مولینا کہتے ہیں کہ "جس ملک میں ہم کام کر رہے ہیں، اسکے اندر ہمارے نزدیک صحیح طریقِ کار یہی ہے کہ ہم جمہوری ذرائع ہی سے انقلاب لانے کی کوشش کریں"۔ پھر مزید تصوع کے بعد فرماتے ہیں کہ "ہم نے یہ طریقِ کار اس بنا پر اختیار کیا ہے کہ" اگر عام لوگوں کا ذہن اسلامی حکومت کے نظام کو بخوشی قبول کرنے کے لیے تیار نہ ہو اور وہ زبردستی اُوپر سے لا کر اُن پر مسلّط کر دیا جائے تو یہ نظام چل نہیں سکتا"۔[1]

پھر حصولِ مقصد اور پاکستانی عوام کی تیاری میں تاخیر کے اسباب زیرِ بحث آتے ہیں۔

بڑا اہم سوال کیا گیا کہ اب تک جو پانچ چھ حکومتیں بدلی ہیں، ان میں سے کسی کے ساتھ جماعت کی مفاہمت کیوں مُہیّا نہ ہو سکی؟

اور مفصل جواب کا پہلا ہی فقرہ خوب ہے کہ "حکومتیں تو ضرور بدلتی رہی ہیں، مگر ایک خاص طبقہ ایسا ہے جو

---

[1] کتنی صراحت سے مولینا کا دعوتی نقطۂ نظر بیان ہوا ہے۔ یہ بات اسلامی دعوت کے اساسی خطوطِ کار میں داخل ہے اور ہمارے بعض معترضین کو جاننا چاہیے کہ اوّل روز سے مولینا مودودی مغفور اسی کے علمبردار رہے ہیں، اور ہم کو بھی انہوں نے اسی کی تربیت دی ہے کہ سیاسی اور خدمتی اور دُوسری مختلف سرگرمیوں کے ساتھ عوام کی ذہنی وابستگی اسلام سے مہیّا کی جائے بلکہ دوسری ساری سرگرمیوں میں بھی یہی مقصد بطورِ روح کارفرما ہونا چاہیے۔ (ن۔ص)

اقتدار کا حامل تھا اور حکومتیں تبدیل ہونے سے اس طبقے کے اختیارات میں کوئی کمی نہیں آتی۔" آگے تفصیل بیان کرتے ہوئے مولانا بتاتے ہیں کہ اگر کوئی اچھا آدمی بھی ملک کے سب سے بڑے انتظامی منصب پر آیا تو وہ بے بس ہو کر رہ گیا۔

پھر سائلین حسن والا قصہ چھیڑ دیتے ہیں جو برسوں سے بار بار ہر کسی نے مولانا سے پوچھا، یعنی کیا آپ نے مسئلہ کشمیر میں مخالفانہ مؤقف اختیار کیا۔

میں نے مولانا مغفور پر مختلف اوقات میں مختلف لوگوں کو اس مسئلے پر ایک ہی طرح سوالات کرتے دیکھا ہے اور مولانا کی طرف سے ایک ہی طرح کا جواب سنا ہے۔ مجھے حیرت ہے کہ مولانا ایک سوال کی تکرارِ مسلسل سے نہ تو تھکتے، نہ کبھی برہم ہوئے، نہ انہوں نے یہ کہہ کر بات ختم کی کہ میں اس پر بار بار بول اور لکھ چکا ہوں، آپ پڑھ لیں۔ جب کسی نے پوچھا، مولانا نے خندہ پیشانی سے پورا جواب دیا۔ وہی جواب اس انٹرویو میں موجود ہے۔

اب بڑا نازک سا سوال سامنے آتا ہے جو جذباتی بھی ہے اور فکری بھی۔ پوچھا جاتا ہے کہ ۱۹۷۰ء کے انتخابات میں جماعت کو کیوں کامیابی نہیں ہوئی؟

اس کے اسباب بیان کرتے ہوئے مولانا مغفور پہلا سبب یہ بتاتے ہیں کہ "جماعتِ اسلامی محض انتخابات جیتنے کو اصلی کام قرار نہیں دیتی۔ وہ اصل کام اس کو سمجھتی ہے کہ عام لوگوں کی ذہنی تربیت کی جائے۔ وہ ووٹروں سے غلط وعدے نہیں کر سکتی۔ جھوٹی امیدیں نہیں دلا سکتی۔ اس سلسلے میں مفصل گفتگو کئی سوالات و جوابات پر مشتمل ہے۔

پھر تحریک کے بیرونِ ملک اثرات پر سوال کیا گیا۔ مولانا مغفور جواب میں بتاتے ہیں کہ اگرچہ بہت سی رکاوٹوں کی وجہ سے ہم اپنی تحریک کو دوسرے ممالک میں چلا کر بین الاقوامی نہیں بنا سکتے، لیکن لٹریچر باہر پھیل رہا ہے اور کئی جگہوں پر ہم خیال اور ہم مسلک قسم کی تنظیمیں ابھر رہی ہیں۔ کئی ملکوں میں تو جماعت اسلامی ہی کے نام سے جماعتیں ہیں، مگر ہمارا ان کا تنظیمی رشتہ نہیں ہے۔ علاوہ ازیں الاخوان المسلمون طرز کے گروہ اسی طرح کا دعوتی کام کر رہے ہیں جیسے ہم کرتے ہیں۔

دو ایک سوالوں کے بعد پھر بات تفہیم القرآن کی چل نکلتی ہے۔ پوچھا جاتا ہے کہ مولانا! آپ نے اس کے لیے وقت کیسے نکالا؟ جواباً مولانا، جب تصنیف و تحقیق کے کام کی داستان چھیڑتے ہیں تو "جوانی کی راتوں" کی یاد یوں تازہ کرتے ہیں کہ "رات کو عشاء کی نماز کے بعد لکھنے کے لیے بیٹھتا تھا اور صبح کی اذان کے ساتھ اٹھتا تھا۔" پھر کیا خوب فرماتے ہیں کہ "اب میرا جوڑ جوڑ اور عضو عضو مجھ سے اس کا حساب پوچھتا ہے کہ تم نے ہم سے اتنا سخت کام کیوں لیا!"

پھر تصنیف و تالیف اور کتابوں اور اُن کے تراجم اور اُن کی مقبولیت پر بات ہوتی ہے تا آنکہ ایک اور اہم سوال آجاتا ہے۔ انٹرویو لینے والے پُوچھتے ہیں کہ مولینا! آپ پر سوشلزم کی مخالفت اور سرمایہ داری کی حمایت کا الزام کیوں لگایا جاتا ہے۔ جواب خوب ہے۔ تان مولینا اس سوال پر توڑتے ہیں کہ "ہمارا کس سرمایہ دار یا جاگیردار نے ساتھ دیا؟"

اب بات مولینا کی صحت کی طرف مُڑ جاتی ہے۔

پھر پُوچھا جاتا ہے کہ آج کل کیا کام کر رہے ہیں؟ مولینا جواباً سیرت کے کام کا ذکر کرتے ہیں۔ مکّی دَور مکمل کر چکا ہوں، آج کل مدنی دَور کے لیے مواد فراہم کر رہا ہوں۔

آگے ایک اور دلچسپ سوال ہے کہ "اگر جماعتِ اسلامی پاکستان میں سرگرمِ عمل نہ ہوتی تو کیا حالات ہوتے۔ مولینا نے اس کا بھی مفصل جواب دیا ہے۔ مگر ابتدا میں مزاحاً فرمایا کہ یہ سوال تو کچھ ایسا ہی ہے جیسے آپ کسی سے پُوچھیں کہ بھئی تو پیدا نہ ہُوا ہوتا تو کیا ہوتا!

گفتگو کی گاڑی مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے مسئلے تک آپہنچتی ہے۔ نیز مزید علاقوں کو توڑنے کے لیے جو مساعی ہو رہی تھیں اُن کا ذکر چھڑتا ہے۔

سائلین پُوچھتے ہیں کہ یہاں ایسے لوگ بھی موجود ہیں جن کا نظریہ ہے کہ انقلاب بندوق کی نالی سے پھُوٹتا ہے۔ کیا ایسے لوگوں کا مقابلہ کیا جا سکے گا؟

مولینا فرماتے ہیں کہ "ہم اپنی حد تک کوئی ایسا کام نہیں کرنا چاہتے جس سے فتنے کی آگ بھڑک اُٹھے۔ لیکن اگر ایسی آگ بھڑکانے کی کوشش کی گئی تو ہم اس کو بجھانے کے لیے کسی قسم کی قُربانی سے دریغ نہیں کرینگے۔"

——اور یہ کہ "اس سرزمین میں ہم نے دعوتِ اسلامی کے جو بیج ڈالے ہیں، وہ جل نہیں جائیں گے، انشاء اللہ وہ ضرور بار آور ہونگے۔"

بے حد اہم اور نازک سوال یہ بھی اٹھایا گیا کہ جماعت کی قیادت سے دستبردار ہونے کے بعد اور کام کے نئے ہاتھوں میں چلے جانے کے بعد کیا آپ مطمئن ہیں کہ کام آپ کی توقعات کے مطابق ہو رہا ہے۔

جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ میں کارکردگی سے پُوری طرح مطمئن ہُوں۔ خدا کے فضل سے یہ ایک خود کار نظام ہے اور انشاء اللہ یہ ٹھیک بُنیادوں پر ہی قائم رہے گا۔

انٹرویو لینے والے جواں سال صحافی ایک پرانا پروپیگنڈا یاد دلاتے ہیں کہ آپ مجدّدیت یا مہدویت کا دعوٰے

کرنے والے ہیں۔ پھر وہ مخالفین کے اس پُرانے مقولے کا ذکر کرتے ہیں کہ جماعتِ اسلامی ایک فرقہ بن جائیگی۔

اس کا مناسب جواب دیا جاتا ہے۔

پھر پُوچھا جاتا ہے کہ جس رفتار سے تحریکِ اسلامی کا کام ہو رہا ہے اس کے پیشِ نظر اسلامی نظام کے قیام کا کب تک امکان ہو سکتا ہے؟

مولینا جواباً فرماتے ہیں کہ ہو سکتا ہے اس کام میں دس سال لگیں، بیس سال لگیں، پچاس سال لگیں، بہرحال تحریکِ اسلامی فطری رفتار سے آگے بڑھ رہی ہے پھر انتباہً کہتے ہیں کہ اگر ہم جلد بازی میں غیر فطری رفتار اختیار کرنے کی کوشش کریں گے تو اسکے اثرات اچھّے نہیں ہوں گے۔

آخر میں کئی متفرق مگر دلچسپ سوالات سامنے آتے ہیں اور اُن کے مؤثر جوابات۔

○

میں نے اجمالاً انٹرویو کے مباحث کی ایک اجمالی جھلک ابتداء میں اس لیے پیش کردی ہے کہ قارئین کو یہ اندازہ ہو جائے کہ دائرہ گفتگو کتنا وسیع ہے کبھی سوال ایک طرف سے اٹھتا ہے، کبھی دوسری طرف سے، کوئی دائیں سے آتا ہے اور کوئی بائیں سے، اور مجیب ان کے رنگارنگ سوالات کے جواب بے تکلّف دیتا چلا جاتا ہے۔

اس انٹرویو میں بہت سی ایسی باتیں آگئی ہیں اور بعض تازہ کردی گئی ہیں کہ اقامتِ دین کے لیے کام کرنیوالوں کو جو سوالات اور اعتراضات پیش آتے رہتے ہیں، ان سب کا جواب ان کی مدد سے دیا جاسکتا ہے۔

یہ انٹرویو گویا اپنا اور اپنے حالات اور اپنے مخالفین کا ایک جامع جائزہ ہے۔

مجھے اُمید ہے کہ مولینا کے اس یادگار تاریخی انٹرویو کو میرے دوست اور رفقاء نہایت غور و توجّہ سے پڑھیں گے اور اس کے مقاصد و مطالب کو اخذ کریں گے اور دوسروں کو پڑھانے کے لیے اسے پھیلائیں گے۔

آخر میں میری دُعا ہے کہ اس انٹرویو کو لینے، ریکارڈ کرنے، اسکی ترتیب و تکمیل کرنے، اس کی اشاعت کی مہم میں کوئی حصّہ لینے کی سعادت جن بزرگوں اور دوستوں کو حاصل ہوئی ہے، نیز اس سے جو احباب استفادہ کرینگے ان سب کو اللہ تعالیٰ جزا دے۔ سب سے بڑھ کر وہ لطف و احسان سیّد مغفور پر فرمائے جن کے مطالعہ و تفکر کا ایک قیمتی حاصل ہمارے سامنے آیا۔ آمین

نیاز کیش

نعیم صدیقی

۲۶ اگست ۱۹۸۰ء

انٹرویو کی تاریخ : ۸ اپریل ۱۹۷۵ء

پاکستان، تحریکِ اسلامی اور متعلقہ مسائل

انٹرویو : از مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

ریڈیو پاکستان

مولانائے محترم، آپ کی شخصیت دو پہلوؤں سے پاکستان اور عالمِ اسلام ہی میں نہیں بلکہ پوری دُنیا میں بخوبی متعارف ہے۔ ایک تو آپ کے علمی تبحر، ادبی حیثیت اور دینی مقام کے اعتبار سے اور دوسرے ایک سیاسی قائد اور رہنما کی حیثیت سے۔ ان دونوں پہلوؤں پر الگ الگ گفتگو بھی کی جا سکتی ہے لیکن ہمارا خیال ہے کہ آپ کے ایک عظیم سیاسی قائد ہونے کی حیثیت ایک لحاظ سے باقی تمام چیزوں پر بھی محیط ہو جاتی ہے اس لیے اگر اسی پہلو سے گفتگو کا آغاز کیا جائے تو غیر موزوں نہ ہوگا ــــــ اس ضمن میں گزارش یہ ہے کہ ایک چیز جو عام طور پر یہاں پاکستان میں موضوعِ گفتگو رہتی ہے اور اس کا آپ کی ذات سے بڑا گہرا تعلق ہے وہ ہے تحریکِ پاکستان کے مقاصد اور ان کے حصول و اثبات میں آپ کی جماعت کی خدمات، اور یہ سوال بھی کہ آپ نظریۂ پاکستان سے کیا مُراد لیتے ہیں! اس سلسلے میں آپ کیا کہنا پسند فرمائیں گے؟

مولانائے محترم

اگر ہم گفتگو کو "تحریکِ پاکستان" کے الفاظ اور اصطلاح تک محدود رکھ کر بات کریں تو میرا خیال یہ ہے کہ یہ اِس موضوع کے ساتھ انصاف نہ ہوگا، کیونکہ ایک چیز تو ہے "پاکستان" کا لفظ اور اصطلاح، اور ایک چیز ہے وہ مقاصد جو اس برصغیر کے مُسلمانوں کے پیشِ نظر ایک زمانۂ دراز سے تھے اور جنھوں نے بالآخر اُن کو اس مقام تک پہنچایا کہ وہ اس اصطلاح کے ساتھ ایک ملک حاصل کرنے کی جدّوجہد کریں۔ یہ مقاصد اسی وقت مُسلمانانِ ہند کے سامنے اُبھر کر آ گئے تھے جب برصغیر میں مُسلم حکومت کا زوال ہُوا۔ انھوں نے محسوس کیا کہ چونکہ وہ ایک خاص نظریۂ حیات کے حامل اور ایک مخصوص تہذیب کے پیرو ہیں اس لیے وہ اپنا مِلّی تشخص اور قومی وجود صرف اسی صُورت میں برقرار رکھ سکتے ہیں جبکہ اقتدار و حاکمیت ان کے ہاتھ میں ہو۔ اگر اقتدار غیر مُسلموں کے ہاتھ میں چلا جاتے تو وہ اس ملک میں مُسلمان کی سی زندگی بسر نہیں کر

سکتے اور بحیثیت مسلمان کے ان کی کوئی زندگی نہیں ہو گی۔ یہ احساس ہندوستان میں حکومت کا زوال ہوتے ہی مسلمانوں کے اندر پیدا ہونا شروع ہو گیا۔ اس احساس نے مختلف شکلیں اختیار کیں۔

کبھی اس نے یہ شکل اختیار کی کہ حضرت سید احمد بریلویؒ اور شاہ اسمٰعیل شہیدؒ ایک تحریک جہاد لے کر کھڑے ہوتے اور اسلامی حکومت و اقتدار کے قیام کے لیے اپنی جانوں کی قربانیاں پیش کر گئے ـــــ کبھی اس احساس نے یہ شکل اختیار کی کہ جگہ جگہ دینی تعلیم کے مدارس قائم کیے گئے تاکہ مسلمان اپنے دین کو بھول کر یورپ سے آنے والی بے خدا تہذیب اور ملحدانہ افکار و نظریات کے سیلاب میں نہ بہہ جائیں۔

اس کے بعد دوسرا مرحلہ یہ آیا کہ انگریزی اقتدار نے یہاں پر قدم جما لیے اور انگریزوں نے رفتہ رفتہ یہاں اس طرز کی جمہوریت کو فروغ دینا شروع کیا جس طرزِ جمہوریت پر اُن کے اپنے ملک انگلستان میں نظامِ حکومت چل رہا تھا۔ انگریزوں کا تصور قومیت و جمہوریت یہ تھا کہ انگلستان کے تمام باشندے ایک قوم ہیں، اور ان کے اندر اکثریت کو حکومت کرنے کا حق حاصل ہے۔ اسی اصولِ جمہوریت کو انگریزوں نے ہندوستان میں بھی رائج کرنا چاہا، وہ سمجھتے تھے کہ ہندوستان کے باشندے بھی ایک قوم ہیں اور ان کے اندر بھی اکثریت کی حکومت کا اصول چل سکتا ہے۔ اسی چیز نے مسلمانوں کے اندر یکایک یہ احساس پیدا کیا کہ اگر یہاں پر ایک ایسی اکثریتی حکومت کا قیام عمل میں آتا ہے جس میں ہماری حیثیت مستقلاً ایک اقلیت کی ہو جاتی ہے تو یہ چیز آخر کار ہماری تہذیبی و قومی انفرادیت کی نفی پر منتج ہو گی۔ کیونکہ اس حکومت کے اندر نہ ہم اپنے نقطۂ نظر کے مطابق قوانین بنانے پر قادر ہوں گے اور نہ حکومت کی انتظامی اور دوسری پالیسیوں ہی میں ہمارا کوئی عمل دخل ہو گا۔ دوسرے لفظوں میں نہ صرف یہ کہ ہم اپنی تہذیب اور اپنے نظریۂ حیات کو بروئے کار نہ لا سکیں گے بلکہ ایک کافرانہ تہذیب اور ایک باطل نظریۂ زندگی ہم پر حکومت کے زور سے مسلط ہو جائے گا۔

یہ تھی وہ صورتِ حال جو انگریزی حکومت کے تسلط کے بعد ایک زبردست سوال اور چیلنج کی شکل میں اُبھر کر مسلمانوں کے سامنے آئی اور اس کا جواب حاصل کرنے میں انہیں ایک عرصہ دراز لگا۔ ایک مدتِ دراز تک وہ اس مشکل سوال کا حل تلاش کرنے کی کوششیں کرتے رہے کہ ایک ایسے نظام میں جس میں ہندوستان کے باشندوں کو ایک قوم فرض کر کے اکثریت کی حکومت کا طریقہ رائج کیا گیا ہو اس میں اقلیت کے طور پر ہمارے لیے سیاسی، تمدنی اور تہذیبی تحفظ کی کیا شکل ہو سکتی ہے۔ اس تحفظ کے حصول کی شکل اور اس کے تعین کے لیے مختلف چیزوں کا تجربہ کیا گیا۔ ایک مرحلے پر اس غرض کے لیے جداگانہ انتخاب کا مطالبہ کیا گیا۔ پہلے اس مطالبہ کا رُخ براہِ راست انگریزوں کی جانب تھا (وفد شملہ ۱۹۰۶ء)، پھر اس کی بنیاد پر مسلم لیگ اور کانگریس میں مفاہمت عمل میں آئی (میثاقِ لکھنؤ ۱۹۱۶ء) ـــــ بعد کے مراحل میں بھی مختلف تجاویز زیرِ غور آتی رہیں۔ لیکن رفتہ رفتہ مسلمانوں کو یہ معلوم ہو گیا

کہ اس طرز کے جمہوری نظام میں کوئی آئینی تحفظ ان کے کام نہیں آسکتا۔ اس بات کا احساس شدت کے ساتھ اُنہیں اُس وقت ہُوا جب ۱۹۳۷ء میں ہندوستان کے متعدد بڑے بڑے صوبوں کے اندر کانگریس کی حکومت قائم ہوئی۔ اُس وقت مسلمانوں کو براہِ راست اس چیز کا تجربہ حاصل ہوگیا کہ اس برصغیر میں حکومت اکثریتی قوم کے ہاتھ میں ہونا اور مسلمانوں کا ایک اقلیت کی حیثیت سے اس کے ماتحت ہونا ایک ایسی صُورتِ حال کو پیدا کرتا ہے جو رفتہ رفتہ ان کے قومی وجود کو ختم کر کے رکھ دے گی ______

یہ تجربہ حاصل ہونے کے بعد مُسلمانوں نے اس طرز پر سوچنا شروع کیا کہ اب تک مسئلے کو وہ جس رُخ سے حل کرنے کی کوشش کرتے رہے ہیں وہ بے معنی اور غیر مؤثر ہے۔ اس زمانے میں انہیں بار بار یہ یقین دلانے کی کوشش کی جا رہی تھی کہ ہندوستان کے مُسلم اور غیر مُسلم باشندے ایک قوم ہیں، لیکن یہ واقعہ تھا کہ وہ ایک قوم نہیں تھے اور نہ ہو سکتے تھے۔ مُسلمان جب سے اس ملک میں آئے تھے اس وقت سے وہ غیر مُسلموں کے ساتھ کبھی ایک قوم کی حیثیت سے نہیں رہے تھے۔ ایک قوم ہوتے تو اُن کے اندر وقتاً فوقتاً تصادم کیسے رونما ہوتے اور لڑائیوں تک نوبت کیوں پہنچتی۔ ایک قوم ہوتے تو ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان چھوت چھات کیونکر ہوتی۔ ان کے ہیروز الگ الگ کیوں ہوتے۔ ان کی عقیدت کے مراکز مختلف کیسے ہوتے۔ ان کو انسپائر (INSPIRE) کرنے والی چیزیں ایک دوسرے سے جُداگانہ کیوں کر ہوتیں؟ اور فی الحقیقت وہ عملاً ہندوؤں سے ایک الگ قوم بن کر کیسے رہتے؟ پس معلوم ہُوا کہ درحقیقت وہ ایک قوم نہیں تھے اور اب ایک مفروضہ زبردستی ان پر مسلط کرنے کی کوشش کی جا رہی تھی۔ یہ مفروضہ کسی طرح چلنے والا نہیں تھا ______ یہی چیز کانگریس کی اکثریتی حکومت قائم ہونے کے بعد آئینہ ہو کر سامنے آگئی اور خود اُنہی لوگوں نے جو ہندوؤں اور مُسلمانوں کو ایک قوم قرار دے رہے تھے، اپنے عمل سے یہ ثابت کرایا کہ ہندو مُسلم ایک قوم نہیں ہیں، بلکہ درحقیقت یہ ایک سیاسی حربہ تھا جس کے ذریعے سے وہ یہاں کی اقلیتی قوم ___ مُسلمانوں کو ___ ایک غلام قوم بنا کر رکھنا چاہتے تھے ___ یہ وہ زمانہ تھا جب میں نے ۱۹۳۷ء میں اپنا وہ سلسلۂ مضامین لکھنا شروع کیا جس میں مُسلمانوں کو یہ احساس دلایا کہ آپ ایک غیر مُسلم اکثریت کے ماتحت رہ کر کسی قسم کے آئینی تحفظ کے سہارے بھی اپنا قومی و ملّی وجود برقرار نہیں رکھ سکتے۔

ریڈیو پاکستان

کیا اس کا یہ مطلب لیا جائے کہ تحریکِ پاکستان کے غیر محسوس تسلسل میں ایک نیا موڑ برصغیر میں پارلیمانی نظام کے قیام سے آیا اور اس وقت آپ نے اس کو محسوس کر کے اس پر قلم اٹھایا؟

مولانائے محترم

جی ہاں، اُس وقت مَیں نے اِس بات کو شدت سے محسوس کیا کہ اس حالت میں کوئی آئینی تحفظ مسلمانوں کو نہیں بچا سکتا۔ اس لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ اس برصغیر میں اسلام اور مسلمانوں کے تحفظ کی کوئی دوسری صورت سوچی جائے۔ میرے نزدیک دوسری صورت صرف یہ تھی اور اس کو مَیں نے بالکل واضح طور پر پیش کر دیا تھا کہ سب سے پہلے تو مسلمانوں کے اندر ان کے قومی و ملّی تشخص کا احساس پوری طرح پیدا کیا جائے جس سے ان کو معلوم ہو کہ وہ فی الواقع کیا ہیں، ان کے اصولِ زندگی کیا ہیں، وہ کیونکر دوسری قوموں سے الگ اور مستقل بالذات قوم بلکہ ملت ہیں، اور ان کے اس قومی و ملّی تشخص کو برقرار رکھنے کا راستہ کیا ہے ؟

اس زمانے تک مسلمانوں کے اندر کوئی باقاعدہ تحریک موجود نہ تھی اور بالخصوص تحریکِ پاکستان کا، جس شکل میں وہ بعد میں اُبھری، آغاز نہیں ہُوا تھا۔ اس کے برعکس مسلمانوں کے مختلف اہلِ دماغ ــــــ جن کا اندازِ فکر بھی ایک دوسرے سے مختلف تھا ــــــ اپنی اپنی جگہ پر سوچ رہے تھے کہ جس پیچیدگی میں ہم پڑ گئے ہیں اس سے نکلنے کا راستہ کیا ہے ؟ اس وقت، جیسا کہ مَیں نے پہلے بیان کیا، سب سے مقدم چیز یہ تھی کہ مسلمانوں کو اُس متحدہ قومیت کے جال میں پھنسنے سے کیسے بچایا جائے جس کے حلقے اُن کے گرد کسے جا رہے تھے۔

ریڈیو پاکستان

کیا اُس وقت کچھ اور لیڈر حضرات بھی ایسے تھے جو ان خطوط پر سوچ رہے تھے، اور ان کے خیالات بھی معرضِ اظہار میں آ رہے تھے ؟

مولانائے محترم

جی ہاں، اور بھی بعض حضرات ان خطوط پر سوچنے والے موجود تھے اور انھوں نے اپنی تقاریر اور مضامین کے ذریعے سے اپنے خیالات پیش کیے۔ مَیں بھی اُن میں سے ایک تھا، اور مَیں یہ کہہ سکتا ہوں کہ مسلمانوں کے اندر جداگانہ قومیت کا احساس بیدار کرنے میں مَیں نے بھی مقدور بھر خدمت انجام دی ــــــ میرے اِس کام کا وزن کیا تھا اس کا فیصلہ کرنا میرا کام نہیں ہے، دوسرے لوگ خود اس کو دیکھ کر اندازہ کر سکتے ہیں۔

ریڈیو پاکستان

مولانا، جس انداز سے آپ نے جداگانہ قومیت کا تصور مسلسل مضامین کی شکل میں پیش فرمایا کیا اس انداز کی کوئی دوسری کوشش بھی سامنے آئی ؟

مولانائے محترم

جہاں تک میں سمجھتا ہوں کوئی باقاعدہ اور مسلسل آواز ایسی موجود نہ تھی۔

ریڈیو پاکستان

گویا تحریک پاکستان کی ایک مخصوص شکل اس کے بعد ہی ظہور پذیر ہوئی ؟

مولانائے محترم

یہ بالکل صحیح ہے۔ رفتہ رفتہ جب مسلمانوں کے اندر یہ جُداگانہ قومیت کا تصور راسخ ہوتا گیا تو ان کے اندر اس ضرورت کا احساس بھی بڑھتا چلا گیا کہ کم از کم ہندوستان کے وہ خطے جن میں مسلمانوں کی اکثریت ہے وہ ایک الگ ریاست بن جائیں اس طرح سے تحریک پاکستان ایک باقاعدہ اور واضح شکل اختیار کر لے گی ——

اس موقع پر دو اہم سوال درپیش تھے ایک تو یہ کہ وہ خطے جن کے اندر مسلمانوں کی اکثریت تھی وہ ایک دوسرے سے بہت فاصلے پر واقع تھے، ان کو باہم جوڑنے والی چیز کیا ہوگی ؟ اس کا سیدھا سا جواب یہ تھا کہ یہ چیز اسلام کے سوا کوئی اور نہیں ہوسکتی —— دوسرا سوال یہ تھا کہ ہندوستان کا ایک بہت بڑا علاقہ ایسا تھا جس میں مسلمان اقلیت میں تھے، اگر وہاں پر جمہوری حکومت قائم ہو تو لامحالہ وہاں مسلمانوں کو اکثریت کی غلامی میں جانا ہوگا، اس صورت میں ان کے تحفظ کی شکل کیا ہو گی ؟ کیونکہ پاکستان بننے کا فائدہ صرف انہی علاقوں کو پہنچنا تھا جن میں مُسلمانوں کی اکثریت تھی۔ اس سوال کا کوئی واضح جواب موجود نہیں تھا لیکن اس سے یہ بات بہرحال پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ بالآخر مُسلمانانِ ہند کو جس تخیّل نے قیامِ پاکستان کی جدوجہد کے لیے اُبھارا اور ان کو مجتمع کیا وہ کوئی سیاسی و معاشی جذبہ ہرگز نہ تھا، بلکہ درحقیقت وہ ایک خالص دینی جذبہ تھا۔ ورنہ کوئی وجہ نہ تھی کہ مدراس یا بمبئی یا سی پی یا یو پی کا کوئی مُسلمان پاکستان کی حمایت کے لیے کھڑا ہوتا جبکہ وہ کبھی یہ اُمید نہ کر سکتا تھا کہ اس کا علاقہ بھی پاکستان میں شامل ہوگا —— اور یہ ایک امرِ واقعہ ہے کہ آگے چل کر جن علاقوں میں پاکستان قائم ہوا ہے وہاں تحریکِ پاکستان نے کبھی اُتنا زور نہیں پکڑا جتنا ان علاقوں میں پکڑا تھا جہاں مسلمان اقلیت میں تھے۔ اس کا سبب اس کے سوا کیا تھا کہ اس کا محرّک خالص اسلامی جذبہ تھا مسلمانوں کے اندر یہ احساس کارفرما تھا کہ چاہے ہمارا حشر کچھ ہی ہو لیکن ہماری قربانیوں سے کم از کم اسلام کے نام پر ایک ایسی مملکت تو وجود میں آجائے گی جس میں اسلام کا بول بالا ہوگا اور وہاں اسلامی نظامِ زندگی عملاً قائم ہو سکے گا۔ یہی وہ جذبہ اور احساس تھا جس نے اس نعرے کی شکل اختیار کی کہ

پاکستان کا مطلب کیا ؟ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ

اور درحقیقت یہی وہ نعرہ تھا جس کو سُن کر لوگ پروانہ وار اس پر لپکے اور اتنی بڑی اکثریت نے پاکستان کی حمایت کی کہ شاید

برصغیر کے ایک دو فی صدی مُسلمان ہی بمشکل اس سے الگ رہ گئے ہوں ـــــ چنانچہ میرے نزدیک نظریۂ پاکستان کی دو ہی بنیادیں ہیں۔ ایک یہ کہ ہم دُنیا کی کسی دوسری قوم کا جُز نہیں بلکہ الگ ایک قوم ہیں، اور ہم کسی دوسری قوم کے ساتھ مل کر کوئی مشترک قومیت نہیں بنا سکتے، اور دوسرے یہ کہ ہماری قومیت کی اساس ہمارا دین ہے اور اس کے سوا ہماری قومیت کی کوئی اور بنیاد نہیں ہے ـــــ میرے نزدیک نظریۂ پاکستان کے یہی معنی ہیں!

ریڈیو پاکستان

گویا آپ کے نزدیک اسی احساس اور جذبے نے درحقیقت مسلمانانِ ہند کو آزادی کی جدوجہد کے لیے اُبھارا؟

مولانائے محترم

یقیناً صرف یہی وہ چیز تھی جس نے مسلمانوں کو آزادی کی جدوجہد کے لیے اُبھارا اور یہ آزادی اُن کو پاکستان کی شکل میں مطلوب تھی جہاں مسلمان اپنے دین کے مطابق اپنی زندگی کا نظام قائم کرنے کے لیے آزاد اور خود مختار ہوں۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو اُن علاقوں کے مُسلمان تو کبھی پاکستان کا مطالبہ کرنے اور اس کے قیام کے لیے جدوجہد کرنے پر آمادہ نہ ہوتے جن کو آزادی کے ثمرات میں سے کوئی ثمرہ ملنے والا نہ تھا۔ وہ یہ سب کچھ جانتے بوجھتے کر رہے تھے کہ پاکستان بننے کے بعد اُلٹی ہماری شامت آئے گی اور ہمارا جینا دوبھر کر دیا جائے گا لیکن اس کے باوجود انھوں نے ہر قسم کے خطرات کو انگیز کیا۔ سوال یہ ہے کہ آخر کیوں؟ کیا اسلام کے ساتھ والہانہ لگاؤ اور اسلامی حکومت کے قیام کے لیے ایک قومی داعیے کے سوا بھی اس کا کوئی اور محرک ہو سکتا ہے؟ ـــــ یہ ہماری تاریخ کا ایک ایسا دَور ہے جس کے عینی شاہد آج بھی بکثرت یہاں موجود ہیں۔ تاریخ کی اس روشن شہادت کو آج کوئی شخص کیسے جھٹلانے کی جسارت کر سکتا ہے؟

ریڈیو پاکستان

مولانا! بعد میں جب تحریکِ پاکستان کا باقاعدہ آغاز ہُوا تو اس کی قیادت مُسلم لیگ کے ہاتھوں میں تھی۔ اس دَور میں اس تحریک کے لیے آپ کا CONTRIBUTION کیا رہا؟

مولانائے محترم

جب عملاً یہ تحریک اس اصطلاح اور نصب العین کے ساتھ شروع ہوئی تو جیسا کہ مَیں نے آپ سے پہلے عرض کیا کہ اس کا اصل مقصود اسلامی حکومت کا قیام تھا۔ اس چیز سے مجھے بھی اتفاق تھا اور اسی مقصد کے لیے مَیں نے اپنی زندگی وقف کر رکھی تھی لیکن یہ تحریک شروع ہونے کے بعد جوں جوں آگے بڑھتی گئی مَیں نے یہ محسوس کیا کہ جس طرز پر یہ تحریک چلائی جا رہی ہے اور جن ہاتھوں سے وہ پروان چڑھ رہی ہے اس کے نتیجے میں ایک قومی جمہوری ریاست تو وجود میں آ سکتی ہے لیکن صحیح معنوں

میں اسلامی ریاست نہ بن سکے گی۔ یہ میرا اُس وقت احساس تھا اور بعد کے حالات نے میرے احساس کی تصدیق ہی کی۔ نتیجہ اس سے مختلف شکل میں برآمد نہیں ہُوا۔

ریڈیو پاکستان

آپ کے اس احساس کی بنیادیں کیا تھیں، ؟

مولانائے محترم

دیکھیے، جب کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم فلاں مقصد کے لیے کام کر رہے ہیں اور یہ ہمارا نصب العین ہے تو یہ دیکھا جائے گا کہ اس مقصد اور نصب العین کے ساتھ لگاؤ کی کیا علامات ان کی عملی زندگیوں میں پائی جاتی ہیں۔ اگر وہ علامات واضح طور پر اور مطلوبہ معیار کے مطابق وہاں نہ پائی جاتی ہوں تو اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ان کا متعین کردہ مقصد اور نصب العین کہاں تک پورا ہو سکے گا۔

ریڈیو پاکستان

یعنی اسلامی حکومت کے قیام کا مقصد اور نصب العین، جسے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کے الفاظ میں ظاہر کیا گیا تھا ؟

مولانائے محترم

جی ہاں، اس تحریک کا مقصد واقعی لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ تھا اور اسی کی خاطر برصغیر کے تمام مسلمان جمع ہُوئے تھے۔ لیکن عام مسلمان اس بات کو نہیں سمجھ سکتے تھے اور نہ یہ ان کے بس کی بات تھی کہ آگے چل کر اس تحریک کی شکل کیا ہو گی اور اس کو کن مسائل کا سامنا کرنا پڑے گا۔ مَیں یہ محسوس کر رہا تھا کہ قیامِ پاکستان کی تحریک جس انداز سے چل رہی ہے اس کے نتیجے میں ایک ریاست تو وجود میں آسکتی ہے لیکن عملاً وہ ایک سیکولر نیشنل ڈیموکریسی ہوگی جو صحیح اسلامی ریاست سے بہت دُور ہو گی۔

ریڈیو پاکستان

کیا اُس وقت جماعتِ اسلامی موجود تھی ؟

مولانائے محترم

نہیں، جماعتِ اسلامی اسی احساس کے بعد ہی تو بنائی گئی۔ آپ کو معلوم ہے کہ پاکستان کا ریزولیشن ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو پاس ہُوا اور جماعتِ اسلامی کی تشکیل ۲۶ اگست ۱۹۴۱ء کو ہوئی۔ مَیں اس دوران میں برابر یہ لکھتا رہا کہ اگر آپ کو اسلامی حکومت قائم کرنی ہے تو اس کے لیے کس قسم کا کیریکٹر مطلوب ہے اور اس کا طرزِ تنظیم کیا ہونا چاہیے۔

ریڈیو پاکستان

جب قراردادِ پاکستان منظور ہوئی اور آپ نے یہ دیکھا کہ آگے چل کر تحریک پاکستان کو چلانے والے کس قسم کی ریاست قائم کر سکیں گے تو آپ نے صحیح اسلامی ریاست کے قیام کے مقصد کے پیش نظر کن خطوط پر اپنی کوششوں کا آغاز کیا؟

مولانائے محترم

میرے پیشِ نظر اُس وقت یہ تھا کہ پورے برصغیر میں قیام پاکستان کی تحریک جس بڑے پیمانے پر شروع ہو چکی ہے اس کی وجہ سے اب اس کا رُخ اور رنگ بدلنا مشکل ہے بلکہ اس کوشش میں کام اُلٹا خراب ہو سکتا ہے۔ اس لیے بجائے اس کے کہ اب اس کوشش میں وقت صرف کیا جائے، زیادہ بہتر یہ ہے کہ یہ تحریک اپنے انداز میں کام کرتی رہے اور ہم ایک الگ جماعت بنا کر ایسے آدمی تیار کرنا شروع کریں جو پاکستان بننے کے بعد دونوں حصّوں میں پیشِ نظر مقصد کے لیے کام کر سکیں، یعنی اُس حصّے میں بھی جہاں پاکستان بننا ہے اور اس حصّے میں بھی جہاں غیر مُسلم حکومت قائم ہونی ہے ــــــ ہمارے پیشِ نظر یہ تھا کہ قیام پاکستان سے پہلے اتنا تعمیری کام کر لیا جائے کہ اس کے قیام کے بعد پیشتر اس سے کہ اس کا نظامِ حکومت سیکولر بنیادوں پر قائم کرنے کے حالات پیدا کیے جائیں، اس میں فوری طور پر اسلامی نظام زندگی کے قیام کی بنیاد ڈالی جا سکے۔ اس غرض کے لیے صاحبِ کردار کارکُن تیار کیے جائیں اور ان کی تعلیم و تربیت کے ذریعے سے ان کی ایسی تنظیم کر دی جائے کہ وہ ہر طرح کے حالات کا مقابلہ کر سکیں۔ علاوہ بریں ایسا لٹریچر تیار کیا جائے جو اسلامی حکومت کے حقیقی خدوخال متعین کر کے رکھ دے تاکہ جب عملاً یہاں اسلامی طرزِ حکومت کے قیام اور اسلامی قوانین کے نفاذ کا سوال اُبھرے تو یہ نہ کہا جا سکے کہ اسلامی حکومت کیا چیز ہے، یا اس جدید زمانے میں صدیوں پُرانے اسلامی قوانین کا نفاذ کیسے ممکن ہے اور ایک مثالی اسلامی ریاست کیونکر وجود میں لائی جا سکتی ہے ــــــ یہ ہماری انہی کوششوں کا نتیجہ تھا کہ قیامِ پاکستان سے پہلے اور اس کے فوراً بعد ہم ایسا لٹریچر تیار کرنے میں کامیاب ہو گئے جس میں سوچنے سمجھنے والے ذہنوں کے اطمینان کا پورا سامان کر دیا گیا ہے ہم نے اچھی طرح یہ بتا دیا ہے کہ اسلامی نظام حکومت کیا ہوتا ہے۔ اس کی معیشت کن بنیادوں پر استوار ہوتی ہے۔ اس کی معاشرتی زندگی کیسی ہونی چاہیے۔ اس کا نظامِ اخلاق کیا ہونا چاہیے۔ اس کی سیاست کے اصُول و ضوابط کیا ہوں گے۔ اس میں قانون سازی، نفاذ قانون اور عدالتوں کا نظام کن بنیادوں پر قائم ہونا چاہیے۔ یہ اور اس طرح کے جو جو مباحث اسلامی نظامِ حکومت کے قیام کے سلسلے میں پیدا ہو سکتے تھے ان کے بارے میں ہم نے ضروری مواد فراہم کر دیا ــــــ دوسری طرف ہم نے ایسے مخلص اور صاحبِ کردار کارکُن تیار کیے جو غلبۂ اِسلام کے لیے اپنی زندگیاں وقف کر دینے کا عزم رکھتے ہیں۔

ریڈیو پاکستان

مولانا! اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ تحریک پاکستان کی قیادت کرنے والے لوگوں یا زیادہ صحیح لفظوں میں مسلم لیگ کے پیشِ نظر اور آپ کے پیشِ نظر دراصل ایک ہی نصب العین تھا، مگر طریقِ کار مختلف ہو گیا۔ لیکن ایسا کیوں ہُوا کہ دونوں تنظیموں کے درمیان مفاہمت یا تو پیدا نہ ہوئی یا کسی وجہ سے پس منظر میں چلی گئی۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج تک بعض لوگوں کی طرف سے یہ کہا جاتا ہے کہ جماعتِ اسلامی تحریک پاکستان کی راہ میں مزاحم ہوئی، یا کم از کم یہ کہ اس نے اس تحریک کا ساتھ نہ دیا۔ ایک ہی سمت میں چلنے والوں کے بارے میں ایسا تاثر پیدا ہونے کے کوئی حقیقی اسباب تھے یا اس کے پس پردہ کچھ لوگوں کے اپنے مقاصد اور محرکات تھے؟

مولانائے محترم

میرے خیال میں اس قسم کا تاثر جان بُوجھ کر پیدا کیا گیا اور ایسا کرنے والوں کے کئی مقاصد اور محرکات ہو سکتے ہیں۔ جن لوگوں نے از خود یہ تاثر لیا انھوں نے ہمارا لٹریچر پڑھے بغیر دُور ہی سے ایک رائے قائم کر لی۔ لیکن ان کے برعکس کچھ وہ لوگ تھے جو یہ جانتے تھے کہ ہمارا طرزِ فکر کیا ہے، ہم کس مقصد کے لیے کام کر رہے ہیں اور ہمارے پیشِ نظر کیسا نظام قائم کرنا ہے، لیکن چونکہ یہ چیز ان کو پسند نہ تھی اور وہ نہیں چاہتے تھے کہ ہم اس مقصد میں کامیاب ہوں اس لیے انھوں نے جان بُوجھ کر ہمیں بدنام کرنے کے لیے ہمارے اُوپر بہت سے الزامات چسپاں کیے جن میں سے ایک الزام تحریک پاکستان کی مخالفت کا تھا۔ لیکن ہم نے کبھی اس بات کی پروا نہیں کی کہ ہمارے مخالفین ہمارے بارے میں کیا پراپیگنڈا کرتے ہیں۔ ہم اپنا فرض جس کو سمجھتے تھے اسے انجام دیتے رہے۔ ہمارا طرزِ فکر یہ تھا کہ جب مسلمانوں کی اپنی ایک الگ مملکت قائم ہوتی ہے تو اس کا نظام اسلام ہی کی بنیادوں پر قائم ہونا چاہیے۔ اس کے لیے جیسا کہ مَیں نے پہلے عرض کیا، ہم نے علمی حیثیت سے کام کر کے یہ بتا دیا کہ اسلامی نظامِ حکومت کے خدوخال کیا ہوتے ہیں اور موجودہ دَور میں اس کا قیام کس طرح ممکن ہے۔ اسلامی ریاست سے متعلقہ مباحث کے بارے میں ضروری مواد پیش کر دیا گیا تاکہ کوئی شخص یہ نہ کہہ سکے کہ اسلامی نظام کا کوئی گوشہ تشنۂ وضاحت رہ گیا ہے ــــــ

دوسری طرف ہم نے تعلیم و تربیت کے ذریعے سے ایسے کارکن بھی تیار کیے کہ اگر اس مقصد کے حصُول کے لیے سیاسی جدوجہد کی ضرورت پیش آئے تو وہ یہ فریضہ بھی انجام دے سکیں، کیونکہ ہمارا خیال یہ تھا کہ ملک تقسیم ہو جانے اور پاکستان قائم ہو جانے کے بعد ایسی کوئی جماعت منظم نہ کی جا سکے گی۔ بعد کے حالات نے یہ بتایا کہ ہمارا یہ اندازہ بالکل صحیح تھا اور اگر ہم نے اُس وقت ایک الگ گوشے میں بیٹھ کر ایسے کارکنوں کی تربیت اور تنظیم نہ کر لی ہوتی تو پاکستان بننے کے بعد ہم یہ

کام کسی طرح انجام نہ دے سکتے۔

ریڈیو پاکستان

یہ رائے قائم کرنے کی کیا وجہ تھی کہ آپ قیامِ پاکستان کے بعد یہ کام نہ کر سکیں گے جبکہ پاکستان بننے کے بعد بھی مختلف جماعتیں وجود میں آئیں ؟

مولانائے محترم

آپ کو معلوم ہے کہ حصولِ پاکستان کے بعد اُسی جماعت نے ،جس کے منشور میں یہ شامل تھا کہ حصولِ آزادی کے بعد ہم سیفٹی ایکٹ جیسے غیر جمہوری قوانین کو منسوخ کر دیں گے ،سیفٹی ایکٹ پاس کیا۔ اس کا مقصد اس کے سوا کیا تھا کہ کوئی شخص ان کی مرضی کے خلاف ملک میں کام نہ کر سکے۔ اس طرح کے اور بھی بعض اقدامات کیے گئے جو اس چیز کا ثبوت بہم پہنچاتے ہیں۔ مَیں عوام کا ذکر نہیں کر رہا ہوں کیونکہ وہ تو اپنے مقصد میں بہر حال مُخلص تھے۔ لیکن جن لوگوں کے ہاتھ میں اختیارات آئے انھوں نے اسلامی حکومت کے قیام کے بنیادی تقاضوں کو نظر انداز کرنا شروع کر دیا۔ جس وقت ہم نے ۱۹۴۸ء میں اسلامی حکومت کے اصُول پیش کر کے ان کو عملی جامہ پہنانے کا مطالبہ شروع کیا تو اس کو مسلسل ٹالا گیا۔ قیامِ پاکستان کے بعد پہلا کرنے کا کام تو یہ تھا کہ ریاست کے مقاصد (OBJECTIVES) متعین کرنے والی قرارداد پاس کی جاتی جس میں اسلامی ریاست کے اصُول و مقاصد آئینی زبان میں طے کیے جاتے۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ ہماری ہمسایہ ریاست ہندوستان کی دستور ساز اسمبلی نے آزادی کے بعد سب سے پہلا کام ریاست کے مقاصد طے کرنے کا کیا۔ یہ ایک اصُولی بات تھی۔ لیکن ہمارے اس مطالبے کو ،جو درحقیقت پُورے اہلِ پاکستان کا مطالبہ اور قیامِ پاکستان کا ایک فطری تقاضا تھا درخورِ اعتناء نہ سمجھا گیا۔ اس کو خوش آمدید کہنے کے بجائے انھوں نے اس کو اپنے لیے ایک خطرہ گردان کر مختلف تاخیری حربے اختیار کیے اور آخر کار مجھے اور جماعتِ اسلامی کے دو اور ذمّہ دار اصحاب کو گرفتار کر لیا۔ اُن کا گمان شاید یہ تھا کہ اس طرح اس مطالبے کو دبایا جا سکتا ہے۔ لیکن اُن کا یہ خیال دُرست نہ تھا کیونکہ یہ پاکستان کے لیے جدّ وجہد کرنے والے تمام لوگوں کے دلوں کی آواز تھا۔ ایک بہت ہی قلیل طبقہ ایسا موجود تھا جس کو یہاں اسلامی حکومت کا قیام ناگوار تھا اور وہ یہ خیالات رکھتا تھا کہ اگر یہاں اسلامی حکومت کا قیام عمل میں آیا تو وہ یہ ملک ہی چھوڑ کر چلا جائے گا ،لیکن ملک کی بہت بڑی اکثریت یہاں اسلامی نظام کے سوا کوئی اور نظام نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔

ریڈیو پاکستان

مولانا ،کیا آپ نے ایک الگ مُسلم ریاست کے قیام یا ہندوستانی مُسلمانوں کے مستقبل کو محفوظ کرنے کے لیے کوئی دوسری

سیاسی تجاویز بھی پیش کی تھیں ؟

مولانائے محترم

مَیں نے ایسی تین تجاویز پیش کی تھیں یہ اُس زمانے کی بات ہے جبکہ ابھی تحریکِ پاکستان باقاعدہ شروع نہیں ہوئی تھی ۔

ریڈیو پاکستان

کیا آپ کی تجاویز قرار دادِ پاکستان کے منظور ہونے سے پہلے سامنے آئی تھیں ؟

مولانائے محترم

جی ہاں، یہ تجاویز مَیں نے قرار دادِ پاکستان سے تقریباً دو تین برس پہلے ۱۹۳۸ء میں پیش کی تھیں۔ پہلے یہ "ترجمان القرآن" میں چھپیں پھر "مُسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش" حصہ دوم کے نام سے چھپنے والی کتاب میں شائع ہوئیں، اور اب وہ "تحریکِ آزادیٔ ہند اور مُسلمان" حصہ اوّل میں شائع شُدہ موجود ہیں۔ ان میں سے ایک تجویز تو یہ تھی کہ ہندوستان کی ریاست کسی ایک قوم کی ریاست نہ ہو بلکہ وہ مختلف قوموں کے ایک بین الاقوامی وفاق کی طرز پر ایک وفاقی حکومت ہو جس میں مسلمانوں کی تہذیبی خود مختاری (CULTURAL AUTONOMY) ازروئے آئین اور ازروئے قانون تسلیم کی جائے اور اس کے عملی حصُول و اثبات کے لیے مُسلمانوں کے پاس حکومتی اختیارات اور ذرائع وسائل (RESOURCES) موجود ہوں۔ دوسری تجویز یہ تھی کہ ہندوستان میں بسنے والی مختلف قوموں کے الگ الگ علاقے طے کر دیے جائیں جہاں وہ جمہوری طریق پر اپنی خود مختار ریاستیں بنا سکیں اور ان کے درمیان ایک خاص مُدت تبادلۂ آبادی کے لیے مقرر کر دی جائے۔ تیسری تجویز یہ تھی کہ اگر یہ دونوں تجاویز نہ مانی جائیں تو پھر ملک کو تقسیم کر کے مُسلمانوں کی الگ خود مختار ریاست وجود میں لائی جائے۔

ریڈیو پاکستان

پاکستان کے نظریاتی مخالفین یہ نعرہ لگاتے رہے ہیں اور اس نظریے کو عملاً بھی پیش کیا گیا کہ ہندوستان کی تقسیم اور پاکستان قائم کرنے کی تجویز دراصل انگریزی تسلط کو برقرار رکھنے کی ایک اسکیم تھی ؟

مولانائے محترم

یہ تو ایک ایسا جھوٹ ہے جس میں ایک فی ہزار بھی سچائی نہیں ہے۔ انگریزوں کے بارے میں جتنی تاریخی دستاویزات موجود ہیں اُن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ ملک کو آزاد کرنے کے لیے تو تیار تھے لیکن وہ اس کے لیے قطعاً تیار نہ تھے کہ یہاں مسلمانوں کی ایک الگ اسلامی ریاست وجود میں آئے۔ اور اس برصغیر ہی کی بات نہیں وہ دُنیا بھر میں کسی جگہ آزاد اسلامی

حکومت کا وجود نہیں دیکھنا چاہتے تھے۔ برطانوی حکومت کے ایک بہت بڑے ستون اور مدبر نے غالباً ۱۹۰۷ء یا ۱۹۰۹ء میں یہ بات کہی تھی کہ مسلمان قومیں اگر آزادی چاہتی ہیں تو ہم اس کے لیے تیار ہو سکتے ہیں لیکن اگر وہ اسلامی حکومت قائم کرنا چاہیں تو ہم انہیں کبھی ایسا نہیں کرنے دیں گے۔ یہ تصور تقریباً تمام مغربی قوموں کے دماغوں میں موجود رہا ہے کہ دنیا کے کسی خطے میں اسلامی حکومت کا قیام عمل میں نہیں آنا چاہیے، اور اگر کہیں ایسا ہو جائے تو اس کو قائم نہیں رہنے دینا ہے۔ اس لیے یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ انگریزوں نے یہاں اپنا کوئی BASE بنانے کے لیے تحریک پاکستان کو پنپنے اور پاکستان قائم ہونے کا موقع دیا ـــــ سوال یہ ہے کہ اگر فی الواقع ان کی ایسی کوئی اسکیم تھی تو پھر انھوں نے پاکستان میں اپنا کون سا BASE بنایا؟

ریڈیو پاکستان

قیامِ پاکستان کے بعد ایک مرحلے پر نظریۂ پاکستان کی تعبیر معاشی حوالے سے بھی کی گئی اور کہا گیا کہ پاکستان کا قیام مسلمانوں کو ہندوؤں کے معاشی استحصال سے نجات دلانے کے لیے عمل میں لایا گیا اور یہ بھی کہا گیا کہ اس سے مقصود محض سیاسی آزادی تھی۔ آپ اس سلسلے میں کیا فرمائیں گے؟

مولانائے محترم

میں یہ بات پہلے وضاحت سے بیان کر چکا ہوں کہ قیامِ پاکستان کا واحد محرک جذبۂ اسلام کے ساتھ مسلمانوں کی محبت اور ایک اسلامی ریاست کے قیام کی خواہش تھی ـــــ ایک بڑا سیدھا سادا سوال ہے کہ اگر قیامِ پاکستان سے محض مسلمانوں کی سیاسی یا معاشی آزادی مقصود ہوتی تو پھر تحریکِ پاکستان میں ہندوستان کے اُن علاقوں کے مسلمانوں کو شامل ہونے کی کیا ضرورت تھی جن کو پاکستان میں شامل نہیں ہونا تھا۔ وہ کیوں ایسے پاکستان کے لیے اپنی جانیں کھپاتے جس کی سیاسی آزادی اور معاشی فائدوں میں سے کوئی حصہ ان کو ملنے والا نہیں تھا؟

ریڈیو پاکستان

ابھی مسلم لیگ اور جماعتِ اسلامی کے نصب العین کے سلسلے میں کچھ گفتگو ہو چکی ہے۔ اسی ضمن میں ایک اور سوال یہ ہے کہ جب جماعتِ اسلامی اور تحریکِ پاکستان کی قیادت کرنے والی جماعت مسلم لیگ کے مقاصد ایک ہی تھے تو کیا ان دونوں جماعتوں کے درمیان کبھی کوئی رابطہ یا تعاون موجود رہا۔ اگر رہا تو کس شکل میں رہا اور اگر نہیں رہا تو اس کے اسباب کیا تھے؟

مولانائے محترم

یہ رابطہ و تعاون موجود رہا اور اس کی کئی شکلیں تھیں۔ ان میں سے ایک شکل یہ تھی کہ مسلمانوں کی جداگانہ قومیت کے

اثبات میں اور متحدہ قومیت کے کانگریسی نظریے کے خلاف جتنا کچھ میں نے لکھا، اور مسلمانوں کو جس طریقے سے میں نے یہ بات سمجھائی کہ ایک غیر مسلم حکومت کے تحت لادینی جمہوری نظام کے اندر مسلم اقلیت کا حشر کیا ہوگا، اس کو مسلم لیگ نے بہت بڑے پیمانے پر استعمال کیا کیونکہ اس طرح کا کوئی مدلل لٹریچر مرتب شکل میں کہیں اور موجود نہیں تھا۔

ریڈیو پاکستان

کیا مسلم لیگ کے پاس بھی موجود نہیں تھا؟

مولانائے محترم

یہی تو میں بتا رہا ہوں کہ نہیں تھا۔ اس سلسلے میں دوسری قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ جب مسلم لیگ کے قائدین نے اس بات کو محسوس کیا کہ مسلمان بہرحال ایک اسلامی حکومت کے طالب ہیں اور اسی کے لیے وہ جدوجہد کر رہے ہیں تو انہوں نے ضروری سمجھا کہ اسلامی حکومت کا کوئی اب خاکہ اور عملی ڈھانچا مرتب کیا جائے جس کے مطابق آگے چل کر کام کیا جا سکے اور تحریک پاکستان کے مؤیدین کا اطمینان بھی اس سے ہو سکے۔ اس مقصد کے لیے ایک کمیٹی تشکیل دی گئی اور اس کے اندر مجھے بھی مدعو کیا گیا۔ میں نے اس میں بڑی خوشی سے شرکت کی۔ لیکن پھر معلوم نہیں ہو سکا کہ بعد میں اس کام کو کیوں ختم کر دیا گیا۔ اس کمیٹی کے قیام کے لیے نواب چھتاری نے کوشش کی تھی اور انہی کی دعوت پر میں اس میں شریک ہوا تھا۔ اس وقت میری یہ دلی خواہش تھی کہ اسلامی حکومت کے تمام خدوخال پوری طرح واضح کر دیے جائیں تاکہ آئندہ پاکستان بننے کے بعد کبھی یہ مسئلہ پیدا نہ ہو کہ یہاں پر کیسی حکومت بنائی اور چلائی جائے۔ اسی مقصد کے پیش نظر میں نے اس کمیٹی کو اپنا تعاون پیش کیا۔

ریڈیو پاکستان

مولانا، کیا مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش" میں آپ کے شائع شدہ خیالات علامہ اقبالؒ تک بھی پہنچے تھے؟

مولانائے محترم

نہیں، افسوس ہے کہ علامہ اقبالؒ کا انتقال اپریل ۱۹۳۸ء میں ہو گیا تھا اور سیاسی کشمکش حصہ دوم کے مضامین جن کا میں نے ذکر کیا ہے، ان کے انتقال کے بعد لکھے گئے۔ یہ مضامین میں نے نومبر دسمبر ۱۹۳۸ء میں لکھے تھے۔

ریڈیو پاکستان

انڈین نیشنل کانگریس کے بارے میں آپ کے خیالات کیا تھے؟

مولانائے محترم

کانگرس کے بارے میں میری رائے تو ۱۹۲۲ء ہی میں واضح طور پر اس کے خلاف ہوگئی تھی ۱۹۲۴ء میں جب شدھی اور سنگھٹن کی تحریکوں نے ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان کشمکش پیدا کی، اور اس کے نتیجے میں جگہ جگہ فسادات ہوئے تو اس زمانے میں مسلمان لیڈروں نے گاندھی جی اور بعض دوسرے، ہندو لیڈروں سے مل کر یہ بات کی کہ تصادم اور فسادات کی جو آگ جگہ جگہ بھڑک اٹھی ہے اس کو روکا جائے۔ اس کی واحد صورت یہ ہے کہ جہاں مسلمانوں کی زیادتی ہو، وہاں ہم مسلمانوں کی مذمت کریں اور جہاں ہندوؤں کی زیادتی ہو وہاں آپ ہندوؤں کی مذمت کریں۔ اس بات پر اتفاق کیا گیا لیکن اس کے بعد جب کوہاٹ میں ہندو مسلم فساد ہوا تو گاندھی جی نے بڑے زور سے مسلمانوں کی مذمت میں بیان دیا اور ہندوؤں کے بارے میں ایک لفظ بھی نہ بولے۔ اس کے بعد بھی ایسے واقعات رونما ہوئے کہ جہاں بھی ہندوؤں کی طرف سے زیادتی ہوئی وہاں گاندھی جی بالکل خاموش رہے۔ ان چیزوں کو دیکھ کر کانگریس کے بارے میں میرے خیالات مستقل طور پر ایسے بدلے کہ پھر کبھی ان میں کوئی تغیر نہیں آیا، مجھے اندازہ ہوگیا کہ اس گروہ اور اس کے لیڈروں کے بارے میں کوئی خوش فہمی نہیں رکھی جا سکتی پھر میں نے کانگریس کی حقیقت کو سمجھنے کے لیے اس کی پوری تاریخ کا مطالعہ کیا اس ضمن میں تمام دوسری متعلقہ چیزوں کا مطالعہ کر کے میں نے اس کے مرض کی پوری تشخیص کر لی اور یہ بات اچھی طرح سمجھ لی کہ اس پارٹی کی حقیقت کیا ہے اور اس کے عزائم کیا ہیں۔

ریڈیو پاکستان

کیا کانگریس کے بارے میں آپ کے کچھ مضامین شائع بھی ہوئے!

مولانائے محترم

جی ہاں، "مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش" حصہ دوم کو آپ دیکھئے میں نے اس میں کانگریس کے حقیقی چہرے کو بالکل بے نقاب کر کے رکھ دیا یہ کتاب اب "تحریک آزادی ہند اور مسلمان" حصہ اول میں شامل شدہ موجود ہے۔

ریڈیو پاکستان

برصغیر کے رہنماؤں اور لیڈروں میں ملاقاتوں اور مراسلت کا ایک طریق رائج رہا ہے۔ کیا آپ نے بھی کبھی اس طریقے سے مختلف رہنماؤں سے رابطہ قائم کیا؟

مولانائے محترم

ہاں ایسا بارہا ہوا ـــــ جہاں تک مسلم لیگی رہنماؤں سے رابطے کا تعلق ہے جب جماعت اسلامی قائم ہوئی

تو میں نے اس کے پہلے جنرل سیکرٹری قمرالدین خاں صاحب کو قائداعظم محمد علی جناحؒ سے ملاقات کے لیے بھیجا کہ وہ انھیں بتادیں کہ یہ تحریک آپ کے مقابلے میں یا آپ کے خلاف نہیں اٹھائی گئی ہے بلکہ اس کا ایک خاص مقصد اور نصب العین ہے۔ وہ مقصد اور نصب العین بھی درحقیقت وہی ہے جو آپ کا ہے، لیکن فرق صرف اتنا ہے کہ آپ مسلمانوں کے لیے ایک ملک حاصل کرنا چاہتے ہیں اور ہم یہ چاہتے ہیں کہ اس ملک کو ایک حقیقی اسلامی ریاست بنانے کے لیے کام کرسکیں۔ موجودہ حالات میں یہی ایک قابلِ عمل شکل ہمارے سامنے آئی ہے کہ آپ جس انداز سے حصولِ پاکستان کی کوشش کررہے ہیں وہ آپ کریں، ہم اس میں کسی طرح کی خلل اندازی درست نہیں سمجھتے لیکن بعد کے حالات کو نظر میں رکھتے ہوئے ہم یہ چاہتے ہیں کہ اس دور کی طوفانی سیاست سے الگ رہ کر ایسے تربیت یافتہ کارکن اور علمی مواد فراہم کرسکیں جو آگے چل کر کام آئیں ـــــ قائداعظم علیہ الرحمۃ نے اس بات کو توجہ سے سنا اور اس پر اپنی پسندیدگی اور اطمینان کا اظہار فرمایا ـــــ اس کے بعد پھر مجھے کسی اور شخص سے اس موضوع پر بات کرنے کی ضرورت محسوس نہ ہوئی، کیونکہ تحریکِ پاکستان کی اصل ذمہ دار اور فیصلہ کن شخصیت قائداعظم ہی تھے اور ان کو صحیح صورتِ حال سے آگاہ کردیا گیا۔ قمرالدین خاں صاحب نے یہ بات اپنے ایک مضمون میں بھی بیان کردی ہے جو تھنکر (THINKER) میں شائع ہوا تھا۔

ریڈیو پاکستان

کانگرسی رہنماؤں اور ان کے ہم خیال مسلمان علماء سے بھی کبھی آپ کی کوئی اہم ملاقات یا خط وکتابت ہوئی ہے؟

مولانائے محترم

ان میں سے بعض حضرات کے ساتھ میرے بہت پرانے تعلقات تھے۔ ایک زمانے میں مَیں مسلسل چار سال تک (۱۹۲۵ء تا ۱۹۲۸ء) جمعیۃ علمائے ہند کے اخبار الجمعیۃ کا ایڈیٹر رہا۔ اس دور میں جمعیۃ علمائے ہند کے ساتھ میرا قریبی رابطہ رہا۔ وہ لوگ مجھے اچھی طرح جانتے تھے اور میں ان کو اچھی طرح جانتا تھا۔ لیکن جب ۱۹۳۷ء میں مَیں نے اپنے مضامین لکھنے شروع کیے۔۔۔

ریڈیو پاکستان

کیا متحدہ قومیت کے خلاف؟

مولانائے محترم

جی ہاں، متحدہ قومیت کے خلاف اور کانگریس کے ساتھ تعاون کرنے کے نقصانات اور دوسرے متعلقہ مباحث پر، جن میں میں نے یہ سمجھانے کی کوشش کی کہ مسلمانوں کے لیے کام کرنے کا ایک بالکل جداگانہ راستہ ہے تو اسی حلقے کے بعض حضرات نے، جن کو میرے خیالات و افکار اور میری شخصیت کے بارے میں کوئی غلط فہمی نہ تھی، اپنے اخبار میں میرے خلاف یہ لکھا کہ سر سکندر حیات نے پچاس ہزار روپے دے کر مجھے پنجاب میں بلایا ہے، تو اس کے بعد میں ان لوگوں سے مایوس ہو گیا اور میں نے یہ فیصلہ کر لیا کہ اب ان سے بات کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔

ریڈیو پاکستان

کیا اس سلسلے میں آپ کی کوئی خط و کتابت بھی ہوئی؟

مولانائے محترم

جی ہاں، بعض حضرات سے میری خط و کتابت بھی ہوئی۔ جماعتِ اسلامی کی تشکیل کے وقت میں نے تقریباً ۵، علماء کو خطوط لکھے تھے جن میں میں نے یہ کہا تھا کہ اوّل تو یہ آپ حضرات کے کرنے کا کام تھا۔ اچھا ہوتا کہ آپ اس کے لیے آگے بڑھتے اور ہم آپ کے پیچھے چلتے، لیکن اب چونکہ آپ نے اس کام کی طرف توجہ نہیں دی اور میں نے اس کام کو شروع کر دیا ہے تو اب آپ حضرات آگے بڑھ کر اس کام کو اپنے ہاتھ میں لیجئے اور ہرگز یہ مت سمجھئے کہ میں ہی اس کا امیر بن کر بیٹھنا چاہتا ہوں۔ آپ اس مقصد کے لیے اُٹھیں، آپ کی رکاب تھام کر چلنا میرا کام ہے۔ لیکن اکثر حضرات نے تو میرے خطوط کا جواب ہی نہ دیا اور بعض حضرات نے جو جواب دیے وہ کچھ اس طرح کے تھے کہ تم کوئی مہدویت کا دعوےٰ لے کر اُٹھنے والے ہو اور یہ بات ہے اور وہ بات ہے، تو پھر اس کے بعد میں نے ان کی طرف کوئی قدم بڑھانا مناسب نہ سمجھا ۔۔۔۔ افسوس ہے کہ اس زمانے کی وہ مراسلت، ہجرت کے وقت پٹھان کوٹ ہی میں رہ گئی۔ اس لحاظ سے تو افسوس ہوتا ہے کہ ایک تاریخی ریکارڈ ضائع ہو گیا لیکن اس لحاظ سے خوش بھی ہوں کہ خوش شدہ، برباد شدہ!

ریڈیو پاکستان

مولانا، کیا علماء کے ایک طبقے کی طرف سے اب تک آپ کی جو مخالفت کی جا رہی ہے اس کی وجہ یہی تو نہیں ہے کہ آپ نے متحدہ وطنیت کے فلسفے کی مخالفت کی تھی؟

مولانائے محترم

میں تو یہی سمجھتا ہوں۔ متحدہ قومیت اور نسلی وطنیت کے خلاف جو دلائل میں نے دیے تھے ان کا کوئی ردّ تو ان علمائے کرام کے پاس تھا نہیں، البتہ میرے خلاف اپنی ناراضی کا اظہار کرنے میں وہ آزاد تھے اور مجھے اس سے کوئی بحث نہ تھی کہ ایک خالص دینی اور ملی مسئلے کے بارے میں معقول طریقے سے اپنا موقف بیان کرنے کے بجائے انہوں نے یہ راستہ کیوں اختیار کیا ـــــ یہ دیکھ کر افسوس ہوتا تھا کہ ان میں سے ایک سربرآوردہ شخصیت نے صاف صاف یہ اندازِ استدلال اختیار کیا کہ چونکہ انگریز سوشلزم سے ڈرتا ہے اس لیے پہلے یہاں سوشلزم لانا چاہیے۔ اس کے بعد اسلام کے لیے راستہ خود بخود ہموار ہو جائے گا۔ میں نے اس پر تنقید کرتے ہوئے یہ لکھا کہ یہ مدارِ استدلال تو بڑی آفت ہے۔ کیا اس طرح ہم ہر اس چیز کو اختیار کرتے چلے جائیں گے جس سے انگریز ڈرتا ہے ـــــ؟ اسی طرح ایک اور صاحب نے اپنے مضمون میں لکھا کہ اس زمانے میں اسلامی نظام نہیں چل سکتا، اس زمانے میں سوشلزم ہی چل سکتا ہے، اس پر بھی میں نے بڑی سخت تنقید کی کہ کیا اب علمائے کرام کا کام باطل نظاموں کی حمایت کرنا ہی رہ گیا ہے؟ اگر اسلامی نظام قائم کرنے کی ہمت نہیں رکھتے تو کم از کم کفر کو تو تقویت نہ پہنچائیے!

ریڈیو پاکستان

جس طرح بھارت کی دستور ساز اسمبلی نے آغاز ہی میں OBJECTIVES RESOLUTION پاس کیا تھا اس قسم کا ریزولیوشن پاکستان میں کب پاس ہوا؟

مولانائے محترم

اس قسم کا ریزولیوشن پاکستان میں مارچ ۱۹۴۹ء میں پاس ہوا جسے ہم "قراردادِ مقاصد" کہتے ہیں۔ اس زمانے میں میں حکومتِ پاکستان کی قید میں تھا۔

ریڈیو پاکستان

کیا جماعتِ اسلامی نے اس کی منظوری کے سلسلے میں کوئی تحریک بھی چلائی تھی؟

مولانائے محترم

میں پہلے بیان کر چکا ہوں کہ ہم نے ۱۹۴۸ء میں مطالبۂ نظامِ اسلامی کی ایک تحریک چلائی تھی جس میں تمام اہلِ پاکستان دل و جان سے شریک تھے۔ جب یہ مطالبہ مسلسل جاری رہا تو اکتوبر ۱۹۴۸ء میں مجھے اور میاں

طفیل محمد صاحب اور مولانا امین احسن اصلاحی صاحب کو گرفتار کر لیا گیا۔ لیکن ہمارے جیل چلے جانے کے باوجود جماعت برابر یہ کام کرتی رہی یہاں تک حکومت کو اس مطالبہ کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنا پڑا۔

ریڈیو پاکستان

اس قرارداد کی منظوری تک کیا کیا مراحل پیش آئے ؟

مولانائے محترم

اوّل اوّل تو یہ کوشش کی گئی کہ کسی طرح یہ قرارداد دستور ساز اسمبلی میں پیش نہ ہو سکے۔ اسمبلی کے اندر ایک اچھا خاصا گروہ ایسا تھا جو ایسی کسی قرارداد کے منظور ہونے کا مخالف تھا جس سے پاکستان کا اسلامی تشخص آئینی طور پر طے ہو سکے۔ بہت سے ایسے حضرات تھے جو یہ کہتے تھے کہ اگر ہم نے پاکستان کو ایک مذہبی ریاست بنایا تو ہم دُنیا کو کیا منہ دکھائیں گے۔ لیکن جب نظامِ اسلامی کا مطالبہ روز بروز شدّت اختیار کرتا چلا گیا تو بالآخر مارچ ۱۹۴۹ء میں "قرارداد مقاصد" اسمبلی میں پیش اور منظور کی گئی اور اس میں تقریباً وہ سارے نکات آ گئے جو میں نے ۱۹۴۸ء میں مطالبہ نظامِ اسلامی کے سلسلے میں اپنی لاء کالج لاہور کی تقریر میں بیان کیے تھے ——— اس قرارداد کی منظوری کے بعد حکومت کا جو طرزِ عمل سامنے آیا، اس پر میں یہ سوچتا رہا کہ یہ قرارداد کس نیت سے پاس کی گئی ہے۔ اگر اس کے پیچھے واقعی یہ نیت کارفرما ہے کہ اب اس کو عملی جامہ پہنانا ہے تو پھر اس کے بعد مجھے اور میرے ساتھیوں کو قید رکھنے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ لیکن جب اس کے بعد ہماری نظربندی میں توسیع کی گئی تو مجھے اندازہ ہو گیا کہ یہ کس غرض کے لیے پاس کی گئی ہے ——— چنانچہ اپنی رہائی کے بعد جو پہلی تقریر میں نے کی تھی اس میں میں نے یہ کہا تھا کہ یہ قرارداد ایک ایسی بارش ہے کہ نہ جس سے پہلے کوئی گھٹا اٹھی اور نہ جس کے بعد کوئی روئیدگی ہوئی۔ بس ایک واقعہ تھا جو ہو گیا۔ بغیر کسی علت کے اور بغیر کسی نتیجے کے ——— اب آپ دیکھ سکتے ہیں کہ یہ قرارداد مقاصد پاکستان کے ہر دستور کا دیباچہ بنتی چلی آ رہی ہے لیکن کام اس کے مطابق کبھی نہیں کیا گیا۔

ریڈیو پاکستان

آپ نے دستور ساز اسمبلی کے ارکان کو علمی اور سیاسی سطح پر متاثر کرنے کی کوشش کی ہو گی۔ اسمبلی میں آپ کے ہم خیال ارکان کی تعداد کتنی تھی ؟

مولانا نے محترم

ایسے ارکان کی بھی ایک اچھی خاصی تعداد تھی۔ خود مولانا شبیر احمد عثمانی جیسی محترم شخصیت اسمبلی میں موجود تھی جو اندر اور باہر اس مقصد کے لیے کوشاں تھی۔ ان کے علاوہ ڈاکٹر عمر حیات صاحب اور بعض دوسرے حضرات ایسے تھے جو اس معاملے میں جدوجہد کر رہے تھے۔ ایسے حضرات بھی تھے جو دل سے اس بات کے قائل ہو گئے تھے کہ یہ کام کرنا چاہیے لیکن ایک دوسرا اچھا خاصا با اثر گروہ ایسا موجود تھا جو اس کو آخر وقت تک روکنے کی کوشش کرتا رہا ــــــ بہرحال جب حکومت چلانے والے ذمہ دار لوگوں نے یہ محسوس کیا کہ یہ مطالبہ اب اتنا زور پکڑ چکا ہے کہ اگر اس کو مزید ٹالا گیا تو معاملات بگڑ جائیں گے تو یہ قرارداد منظور کر لی گئی۔ لیکن جیسا کہ میں نے پہلے کہا کہ اس کو منظور کرنے کے بعد جو کچھ کرنا چاہیے تھا وہ نہیں کیا گیا۔ میں اس کو بدقسمتی سمجھتا ہوں کہ جس چیز نے پاکستان کو وجود بخشا تھا اس کو یہاں تقویت پہنچانے کے بجائے مسلسل کمزور کیا گیا اور اسی کا نتیجہ ہم نے مشرقی پاکستان کی علیحدگی کی شکل میں بھگتا۔ مشرقی پاکستان کو مغربی پاکستان کے ساتھ ملا کر رکھنے والی چیز اسلام کے سوا کیا تھی لیکن ذرّہ برابر کوشش اس امر کی نہیں کی گئی کہ اسلام کے ذریعے سے دونوں خطوں میں جو رابطہ ہے اس کو مضبوط بنایا جاتا۔ اس کے برعکس کیا یہ گیا کہ ناچنے گانے والے طائفوں کے تبادلوں کو ثقافتی روابط کا ذریعہ ٹھہرایا گیا، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہاں کے لوگ مغربی پاکستان سے بدظن ہوتے چلے گئے اور وہ حقیقی تعلق جو دونوں حصوں کے درمیان موجود تھا روز بروز کمزور سے کمزور تر ہوتا چلا گیا۔ ناعاقبت اندیشی اور بدتدبیری کی حالت یہ تھی کہ وہاں بعض تعلیمی اداروں میں اسلامیات پڑھانے والے اُستاد ہندو تھے۔ اس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ حکمران طبقے کی غفلت کس درجے تک پہنچی ہوئی تھی۔ اُدھر ہندوستان سے ایسا لٹریچر وہاں بارش کی طرح برسایا جا رہا تھا جو مشرقی پاکستان کے پڑھے لکھے طبقے کے اندر یہ زہر گھول رہا تھا کہ تمہاری قومیت کی بنیاد مذہب نہیں ہے بلکہ بنگلہ زبان اور بنگلہ نسل ہے۔ بنگال میں پیدا ہونے اور بنگالی بولنے والے ہندو اور مسلمان ایک قوم (بنگلہ قوم) ہیں اور یہ اُردو بولنے والے مسلمان مہاجر ایک دوسری قوم ہیں۔ اس زہریلے لٹریچر کا سدِباب کرنے کے لیے مُطلق کوئی قدم نہ اُٹھایا گیا بلکہ اس کو پھیلنے کی پوری آزادی دی گئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تعلیم یافتہ نوجوان نسل بنگالی قومیت کے فتنے کا شکار ہوتی چلی گئی اور آخرکار نوبت یہاں تک پہنچی کہ مسلمان نے مسلمان کی آبرو لوٹی اور اس کے خون سے اپنے ہاتھ رنگے۔ یہ سب کچھ ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہیں۔

ریڈیو پاکستان

قیامِ پاکستان کے فوراً بعد جماعت اسلامی کے بارے میں اس وقت کے حکمرانوں کا جو رویّہ سامنے آیا اس

کے اسباب آپ کے خیال میں کیا تھے ؟

مولانائے محترم

فوراً بعد ایسا نہیں ہوا۔ جب پاکستان قائم ہوا تو اس کے بعد مجھے بار بار ریڈیو پاکستان پر بلایا گیا۔ میرا وہ سلسلۂ تقاریر اسی زمانے میں ریڈیو پاکستان سے نشر ہوا جو بعد میں "اسلام کا نظامِ حیات" کے نام سے شائع ہوا۔ ان تقاریر میں میں نے اسلام کے اخلاقی، روحانی، سیاسی، معاشی اور معاشرتی نظام کے موضوعات پر اظہارِ خیال کیا۔ ــــ اس کے بعد ریڈیو پاکستان سے ایک مباحثہ بھی اس موضوع پر نشر کیا گیا کہ آیا پاکستان کو ایک اسلامی ریاست ہونا چاہیئے یا نہیں۔ ایک صاحب مخالف جانب سے اسلامی حکومت کے خلاف اپنے دلائل دے رہے تھے اور میں نے ان میں سے ایک ایک چیز کا مدلل جواب دے کر یہ بات ثابت کی کہ یہاں صرف اور صرف اسلامی حکومت ہی قائم ہونی چاہیئے اور اس کے بارے میں جتنے شکوک و شبہات اور اعتراضات ہیں وہ سب بے وزن اور بے حقیقت ہیں ــــ اس طرح مجھے ریڈیو پاکستان سے کھل کر اسلامی حکومت کے حق میں استدلال کرنے کا موقع دیا گیا ــــ لیکن اس کے بعد یہ رویّہ تبدیل ہو گیا، اور یہ تبدیلی اس وقت سامنے آئی ہے جب ستمبر ۱۹۴۸ء میں مجھے اور جماعت اسلامی کے دو اور ذمہ دار رہنماؤں کو گرفتار کیا گیا۔

ریڈیو پاکستان

کیا آپ کے علم میں اس کا کوئی ایک سبب ہے ؟

مولانائے محترم

ہو سکتا ہے کہ اس کا سبب یہ ہو کہ قائدِ اعظم علیہ الرحمۃ جب تک زندہ تھے ان کو وہ گفتگو یاد رہی ہو جو میری جانب سے جماعت اسلامی کے قیام کے موقع پر جماعت کے سیکرٹری جنرل نے ان سے کی تھی، اور جس سے انہوں نے اتفاق اور پسندیدگی کا اظہار فرمایا تھا ــــ ہو سکتا ہے کہ اس کے سوا کوئی اور سبب ہو ــــ لیکن بہرحال یہ بات واضح ہے کہ حکومت کے رویّے میں یہ صریح تبدیلی قائدِ اعظمؒ کی وفات کے بعد ہی واقع ہوئی۔

ریڈیو پاکستان

کیا آپ کے خیال میں اس کو سیاسی رقابت کا شاخسانہ قرار دیا جا سکتا ہے ؟

مولانائے محترم

بھئی۔ میں تو نہ کبھی کسی کا رقیب پہلے تھا، نہ اب ہوں۔ اگر کچھ لوگوں نے از خود رقابت کا کوئی احساس اپنے اُوپر طاری کر لیا ہو تو میں نہیں کہہ سکتا۔ میرے پیشِ نظر تو کبھی یہ نہیں رہا کہ میں کسی کو مسندِ حکومت سے ہٹا کر خود اس پر بیٹھ جاؤں۔ میرے پیشِ نظر ہمیشہ جو چیز رہی اور آج بھی ہے وہ یہ ہے کہ جس مقصد کے لیے پاکستان بنایا گیا ہے اس کو پورا کیا جائے، اور اس کی تکمیل انہی لوگوں کے ہاتھوں سے ہو جو حکومت پر فائز ہیں تو چشمِ ما روشن دلِ ما شاد!

میں نے بارہا اپنی تقریروں میں یہ بات کہی ہے کہ جو کوئی بھی قیامِ پاکستان کا مقصد پورا کرے میں اس کے ساتھ چپراسی بن کر کام کرنے کے لیے تیار ہوں، مجھے کوئی عہدہ اور منصب نہیں چاہیئے۔ مگر نہ معلوم کیوں برسرِاقتدار حضرات کے دماغ یہ سوچنے سے قاصر رہے کہ کوئی شخص بے لوث ہو کر بھی اس مقصد کے لیے کام کر سکتا ہے۔

ریڈیو پاکستان

کیا آپ سمجھتے ہیں کہ قیامِ پاکستان سے قبل اور بعد آپ نے اور آپ کی جماعت نے جو کام کیا وہ بے نتیجہ نہیں رہا؟ کیا آپ کے خیال میں آپ کی تحریک ناکام نہیں رہی ہے؟

مولانائے محترم

نہیں، ہماری تحریک ناکام نہیں رہی ہے۔ اصل میں یہ تحریک ایک فطری تدریج چاہتی ہے۔ یہ تحریک اُسی وقت صحیح معنوں میں کامیاب ہو سکتی ہے جب کہ ملک کے باشندوں کی عظیم اکثریت اس کی ہم خیال بن جائے۔ اس وقت تک ہم ملک کے تعلیم یافتہ لوگوں کی اکثریت کو ہم خیال بنانے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ ملک کے عام باشندوں کی اکثریت کو شعوری طور پر اپنا ہم خیال بنانے میں ابھی وقت لگے گا۔ جب ایسا ہو جائے گا تو اُس وقت کوئی طاقت اُس نظام کو برپا ہونے سے نہیں روک سکے گی جس کو برپا کرنے کے لیے ہم جدوجہد کر رہے ہیں۔

ریڈیو پاکستان

ہمارے سامنے اس قسم کی مثالیں موجود ہیں کہ بعض نظریاتی ریاستوں کا وجود ایسی حالت میں عمل میں آیا جبکہ وہاں کے عام باشندے اس خاص نظریہ کے حامی و قائل نہ تھے۔ لیکن اقتدار پر قابض ہو کر با اختیار گروہ نے لوگوں کو نظریاتی رنگ میں رنگ کر کامیابیاں حاصل کیں۔ کیا آپ کے نزدیک اسلام کی سربلندی کے لیے نظریاتی انقلاب کا یہ طریقہ مناسب نہیں ہے؟

مولانائے محترم

نہیں، ہم اس قسم کے طور طریقے اختیار نہیں کر سکتے۔ جن لوگوں کی طرف آپ کا اشارہ ہے وہ پہلے لوگوں

کو یہ دھوکہ دیتے ہیں کہ ہم ورکرز کی حکومت قائم کریں گے، لیکن جب ان کے ہاتھوں سے "ورکرز کی ڈکٹیٹرشپ" قائم ہوتی ہے تو اس کے اندر خود ورکرز سے بڑھ کر مظلوم و مقہور اور مجبور و بے بس طبقہ کوئی نہیں ہوتا ــــ یہ دھوکہ بازی ہم نہیں کر سکتے۔ ہم تو لازماً عوام الناس کا ذہن اور ان کے خیالات کو تبدیل کر کے ہی اسلامی نظام قائم کریں گے۔

ریڈیو پاکستان

اقتدار میں آنے کے بعد کیا حکومتی ذرائع و وسائل کو بروئے کار لا کر عملاً یہ ثابت نہیں کیا جا سکتا کہ ہمارے نظریات ہی زیادہ قابلِ عمل اور صحیح و سُود مند ہیں؟ کیا یہ زبانی تبلیغ اور کتابیں پڑھنے اور پڑھوانے سے زیادہ مؤثر طریقہ نہیں ہے؟

مولانائے محترم

اقتدار پر پہنچنے کے لیے آپ کون سا راستہ تجویز کرتے ہیں؟

ریڈیو پاکستان

جنگ اور اعلیٰ مقاصد کے لیے، ہم اسلامی تاریخ میں دیکھتے ہیں، کہ جہاد بھی ہوتا رہا ہے، اور اس کے علاوہ کوئی اور طریقہ بھی ہو سکتا ہے۔ یہ تو ایک سیاسی لیڈر کے سوچنے کا کام ہے کہ وہ طریقہ کیا ہو۔

مولانائے محترم

جس ملک میں ہم کام کر رہے ہیں اس کے اندر ہمارے نزدیک صحیح طریق کار یہی ہے کہ ہم جمہوری ذرائع ہی سے اسلامی انقلاب لانے کی کوشش کریں۔ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ یہاں خواہ کتنی مرتبہ ڈکٹیٹرشپ قائم ہو جائے۔ اس کو کبھی استحکام نصیب نہیں ہوگا۔ وہ بار بار یہاں ناکام ہوگی اور بالآخر یہاں جمہوریت ہی کا طریقہ رائج ہوگا، اور اسی کے ذریعے سے ہم یہاں اسلامی نظام کے قیام کی راہ ہموار کرنے میں کامیاب ہوں گے۔ ہم برابر لوگوں کے ذہنوں کو تیار کرنے کا کام کرتے رہیں گے یہاں تک کہ اُن کے اندر یہ پیاس اور تڑپ پیدا ہو جائے کہ وہ کسی غیر اسلامی نظام کو قبول اور برداشت کرنے کے لیے تیار نہ رہیں ــــ ہم نے یہ طریق کار اس بنا پر اختیار کیا ہے کہ اگر عام لوگوں کا ذہن اسلامی حکومت کے نظام کو بخوشی قبول کرنے پر تیار نہ ہوا اور وہ زبردستی اُوپر سے لا کر ان پر مسلط کر دیا جائے تو یہ نظام چل نہیں سکتا اور اس طرح کی حکومتیں قائم بھی ہو سکتی ہیں اور چل بھی سکتی ہیں لیکن اسلامی حکومت نہیں چل سکتی۔ اسلامی حکومت کے کامیابی کے ساتھ چلنے کا انحصار جہاں ایک

طرف اس بات پر ہے کہ اس کو چلانے والے با تقویٰ صالح اور خدا ترس ہوں وہاں دوسری طرف اس کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ جن لوگوں پر خدا کا قانون جاری کیا جائے وہ بھی اس قانون کے مطابق ڈھلنے پر تیار ہوں۔ اسلامی حکومت دراصل ایک ایماندار اور خدا ترس معاشرہ چاہتی ہے۔ اگر ایک بددیانت اور خوف خدا سے عاری معاشرے میں اسلامی قوانین نافذ کر دیے جائیں تو آپ اندازہ نہیں کر سکتے کہ ان قوانین کا کیا حشر ہوگا۔ جس معاشرے میں قانون کی رکھوالی کرنے والی پولیس بے ایمان اور حکومت کے اہل کار رشوت خور اور بدعنوان ہوں وہاں کیا زبردستی اسلامی قوانین نافذ کر کے آپ اسلام کو کھلونا بنوائیں گے۔ اس بنا پر ہمارے نزدیک اسلامی نظام کے قیام کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس کی ایک عام طلب اور پیاس لوگوں کے اندر پیدا کی جائے۔ علاوہ بریں رائے عام کو اس کے حق میں اس حد تک ہموار کر دیا جائے کہ کوئی غیر اسلامی نظام یہاں پنپ نہ سکے اور صرف وہی لوگ قیادت کے منصب پر آگے آسکیں جو نیک نیتی سے اسلامی نظام کو قائم کرنا چاہتے ہوں ـــــ ریاست پاکستان کی شکل میں مسلمانوں کو ایک اچھا موقع ضرور اس بات کا ملا تھا کہ وہ حکومت کے ذرائع و وسائل کو کام میں لا کر یہاں صحیح معنوں میں ایک اسلامی معاشرہ اور اسلامی حکومت کی تشکیل کریں لیکن اس موقع کو اب تک جس طرح ضائع کیا گیا اس کی تفصیل میں مجھے جانے کی ضرورت نہیں، ان سب حالات سے آپ بھی باخبر ہیں۔

ریڈیو پاکستان

اس کی کیا وجہ ہے کہ مسلمانانِ ہند اسلامی نظام قائم کرنے کی غرض سے ملک پاکستان حاصل کرنے میں تو سات آٹھ سال میں کامیاب ہو گئے لیکن اس کے بعد آپ کے خیال کے مطابق اسلامی حکومت کا قیام آج تک عمل میں نہیں آسکا؟

مولانائے محترم

اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمان جس چیز پر متحد ہوئے اس کے اندر ایک جذباتی اپیل تھی چنانچہ ایک الگ ملک حاصل کرنے میں وہ ایک مختصر مدت میں کامیاب ہو گئے لیکن اس کے بعد جو اصل تعمیری مرحلہ تھا اس کے لیے جس تیاری کی ضرورت تھی اور جو دماغی صلاحیتیں اور عملی قابلیتیں درکار تھیں وہ بڑی حد تک مفقود تھیں۔ بدقسمتی یہ ہوئی کہ جن لوگوں کے ہاتھوں سے اس مرحلے کی تکمیل ہونی تھی وہ خود اس کے لیے پُرجوش اور مستعد نہیں تھے بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ ان میں صحیح ارادہ ہی مفقود تھا تو وہ بھی غلط نہ ہوگا، کیونکہ انہوں

نے اپنے عمل سے یہ بات ثابت کی۔ اگر یہاں پر نیک نیتی کے ساتھ نظام تعلیم کی اصلاح وتشکیلِ نو کر دی جاتی، نظام معیشت اور نظامِ عدالت اور حکومت کے دوسرے شعبوں کو صحیح خطوط پر استوار کر دیا جاتا تو ایک ایسا معاشرہ وجود میں آسکتا تھا جو اسلامی معاشرہ ہوتا اور جس مقصد کے لیے پاکستان حاصل کیا گیا تھا وہ شرمندۂ تعبیر ہو جاتا لیکن اس سمت میں کوئی مثبت اقدام کیا ہی نہیں گیا، بلکہ اس کے برعکس یہاں مسلسل وہ حالات پیدا کیے گئے جن میں مسلمانوں کی حقیقی منزل نظروں سے اُوجھل اور دُور تر ہوتی چلی گئی۔ اس صورتِ حال کو بدلنے کے لیے جو کچھ جد وجہد ہم کر سکتے تھے وہ برابر کرتے رہے اور آج بھی کر رہے ہیں لیکن اب تک جتنی حکومتیں برسرِ اقتدار آئی ہیں انہوں نے کبھی نہ خود اسلامی نظام کے قیام کے لیے دیانت داری سے کام کیا اور نہ اُن لوگوں کو کرنے دیا جو خلوص نیت سے یہ کام کرنا چاہتے تھے اور اسی میں پاکستان کی بقاء اور ترقی کو مضمر جانتے تھے ـــــــ اعلیٰ سطح پر اس غلط روش کے نتائج یہ نکلے کہ عوام الناس کے اندر وہ جذبہ کمزور ہوتا چلا گیا اور آج ہمارا معاشرہ جس مقام پر کھڑا ہے: اس کی حقیقی کیفیت کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔ اس کی اصلاح میں اقتدار کی سرپرستی اور حوصلہ افزائی میں پھیلنے والی خرابیوں کے بعد جو چیز حائل ہو رہی ہے وہ تعلیم کی کمی ہے۔ ایک ایسے معاشرہ میں جس کی اکثریت تعلیم سے بے بہرہ ہے، اپنے لٹریچر اور تبلیغ وتقریر کے ذریعے سے جو کچھ کام کرنا ہمارے لیے ممکن ہے وہ کر رہے ہیں لیکن ظاہر ہے کہ اتنے محدود وسائل کے ساتھ کوئی بڑا اور فوری نتیجہ نکال کر دکھا دینا مشکل ہے۔

ریڈیو پاکستان

قیامِ پاکستان کے بعد سے مختلف حکومتوں کا جو رویہ آپ کی جماعت کے بارے میں رہا ہے، ابھی ہم اس کا ذکر کر رہے تھے۔ غالباً کل چھ سات حکومتیں اس سارے عرصے میں بنی ہیں۔ آپ نے اس سلسلے میں جو کچھ فرمایا ہے اس سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ جماعت اسلامی اور مختلف برسرِ اقتدار آنے والی حکومتوں کے درمیان کوئی واضح مفاہمت نہیں ہو سکی، بلکہ ایک طرح مزاحمت کی صورت رہی ہے، جب کہ اس دوران میں بعض ایسے افراد بھی ذمہ داری کے منصب پر رہے ہیں جن کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ ذہنی طور پر آپ کے ہم خیال تھے۔ لیکن پھر بھی یہ مستقل کشمکش کی فضا کیوں رہی، ہے؟ کیا اس پر آپ کچھ روشنی ڈالنا پسند فرمائیں گے؟

مولانا محترم

بات دراصل یہ ہے کہ حکومتیں تو ضرور بدلتی رہی ہیں لیکن ایک خاص طبقہ ایسا رہا ہے جو حقیقت میں

اقتدار کا حامل تھا اور حکومتیں تبدیل ہونے سے اس طبقے کے اختیارات میں کوئی کمی نہیں آئی۔ حکومت کا کاروبار بیشتر اسی طبقے کی منشا کے مطابق چلتا رہا ہے۔ یہ بات مجھے بھی معلوم ہے کہ بعض ایسے اصحاب ملک کی وزارتِ عظمیٰ پر فائز رہے ہیں جو اسلامی نظام کے حامی تھے لیکن ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ وہ اس اُونچے منصب پر ہوتے ہوئے بھی کس قدر بے اختیار رہے — ایک زمانے میں جب ہم مطالبہ نظام اسلامی کی مہم پورے زور سے چلا رہے تھے تو اس وقت کے وزیراعظم صاحب نے مجھے کہلا بھیجا کہ مجھے آپ کے مقصد سے پورا اتفاق ہے لیکن میں یہ سمجھتا ہوں کہ اگر میں نے اس کو عملی شکل دینے کی کوشش کی تو میں اپنی جگہ پر نہ رہ سکوں گا، اور فی الواقع ان کے ساتھ ہوا بھی یہی! ایک اور صاحب بھی تھے جو ملک کے سب سے بڑے انتظامی منصب پر رہے اور ان کے خیالات بھی ہمارے علم میں تھے لیکن وہ بھی اس معاملے میں بالکل بے بس تھے۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ وہ ایک ایسے شخص کو ملک کی صدارت پر لانے کے لیے مجبور تھے۔ جس کو اسلام کے نام سے چڑ تھی۔ صدارت پر فائز ہونے کے بعد اس شخص نے اسلامی نظام کی کوشش کو مفلوج کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی — پھر ملک کی وزارتِ عظمیٰ پر ایک ایسے صاحب فائز ہوئے جنہوں نے جداگانہ انتخاب کا اصول ختم کرا کے مخلوط انتخاب کا طریقہ زبردستی نافذ کرایا اور اس طرح مشرقی پاکستان کی علیحدگی کی بنیاد رکھ دی۔ میں نے اسی زمانے میں صاف طور پر کہہ دیا تھا، جو لکھا اور چھپا ہوا موجود ہے کہ مخلوط انتخاب کے تحت پہلا انتخاب ہی پاکستان کی قسمت کا فیصلہ کر دے گا، دوسرے انتخاب کی نوبت ہی نہ آسکے گی۔ اب یہ واقعہ آپ کے سامنے ہے — تو اس طرح کے لوگوں سے ہمیں سابقہ پیش آتا رہا اور ہماری جو مزاحمت آغاز ہی میں ہمارے سامنے آگئی تھی وہ برابر کسی نہ کسی شکل میں باقی رہی۔ کیونکہ کسی ایک آدمی کا صدر یا وزیراعظم ہونا کوئی معنی نہیں رکھتا، حکومت چلانے والا اصل طبقہ ایک ہی رہا ہے اور اسلام کے بارے میں اس کا رویہ بھی ایک جیسا رہا ہے۔ اس طبقہ کو اسلام کا غلبہ پسند نہیں اور اس مقصد کے لیے وہ ہر طرح کے ہتھکنڈے استعمال کرتا رہا ہے۔ اب خدا کا شکر ہے کہ آہستہ آہستہ اس طبقے میں ایسے لوگ پیدا ہو رہے ہیں جو اسلامی نظام کو پسند کرتے ہیں اور اُمید ہے اِن شاء اللہ دیر یا سویر حالات بدلیں گے۔

ریڈیو پاکستان

آپ کی ذات اور جماعت اسلامی کے بارے میں اربابِ اقتدار کی مخالفت کے سلسلے میں ایک واقعہ

اس طرح یاد آتا ہے کہ جب آپ کو پہلی بار گرفتار کیا گیا تو اس وقت کی حکومت کی طرف سے یہ کہا گیا تھا کہ جہاد کشمیر کے سلسلے میں آپ کا موقف پاکستان کے قومی مفاد سے متصادم ہے۔ آپ اس سلسلے میں کیا کہنا چاہیں گے؟

مولانائے محترم

اس معاملے میں کوئی بات کہنے سے پہلے میں ایک بات پوچھتا ہوں، اور وہ یہ ہے کہ اگر فرض کیجئے کہ پاکستان کے کسی سیاسی رہنما کی جانب سے کوئی ایسی بات کہی جائے جو جہاد کشمیر کے خلاف ہو تو اس بات کو اچھالنا اور بڑے پیمانے پر اس کی اشاعت کرنا پاکستان کے مفاد میں ہے یا اس کو دبا دینا قرینِ مصلحت و حکمت ہے؟

ریڈیو پاکستان

ظاہر ہے کہ اس کو دبا دینا پاکستان کے مفاد میں ہے۔

مولانائے محترم

مگر ہوا یہ کہ ایک شخص پشاور میں میرے پاس آکر یہ کہتا ہے کہ میں علیحدگی میں ایک بات آپ سے کرنا چاہتا ہوں ۔ وہ لوگ زندہ موجود ہیں جن کے سامنے وہ میرے پاس آیا ۔ میں نے کہا بسم اللہ تشریف لائیے۔ ان صاحب نے کہا کہ پاکستان کشمیر میں جو جہاد کر رہا ہے، آپ اس میں حصہ کیوں نہیں لیتے؟ میں نے کہا: بھئی پاکستان اگر واقعی جہاد کرے تو میں اس سے پیچھے رہنے والا نہیں ہوں لیکن واقعہ تو یہ ہے کہ پاکستان جہاد بھی کر رہا ہے اور نہیں بھی کر رہا ہے ۔ یو۔ این ۔ او کے اندر پاکستان کا نمائندہ یہ بیان دیتا ہے کہ ہم کشمیر میں نہیں لڑ رہے ہیں اور اگر قبائلی لشکر کشمیر میں گئے تو ہم اُن کے مواجب بند کر دیں گے ۔ دوسری طرف آپ یہ کہہ رہے ہیں کہ پاکستان کشمیر میں لڑ رہا ہے ۔ تو یہ اسلامی جہاد کا کوئی طریقہ نہیں ہے ۔ سیدھی طرح سے اسلامی جہاد کیجئے ہم اس میں جان و مال سے حاضر ہیں، یہ ہمارا قومی اور ملکی مسئلہ ہے ہم اس سے پہلو تہی کیوں کر کر سکتے ہیں ـــــ اس کے بعد وہ صاحب تشریف لے گئے ۔ اگلے روز پشاور کے اخبارات میں میں یہ دیکھتا ہوں کہ ان صاحب نے مجھ سے اپنی گفتگو کی یہ رپورٹ شائع کرائی کہ میں نے جہادِ کشمیر کو حرام قرار دیا ہے اور یہ کہا ہے کہ جو لوگ وہاں لڑائی میں مارے جائیں گے وہ حرام موت مریں گے ـــــ اس کے فوراً بعد ہی اس من گھڑت رپورٹ کو ریڈیو پاکستان سے براڈ کاسٹ کرنا شروع کیا گیا اور تمام اخبارات میں ایک زبردست پراپیگنڈہ مہم میرے خلاف شروع کر دی گئی ـــــ میں حیران تھا کہ یہ سب کیا کھیل

ہو رہا ہے ۔ اگر فرض کیجئے کہ میں نے وہی کچھ کہا ہو جو انہوں نے میری طرف سے منسوب کیا تو سیدھا سا سوال یہ تھا کہ کیا یہ چیز خود ریڈیو پاکستان کو نشر کرنی چاہیئے تھی کہ ابوالاعلیٰ مودودی نام کا ایک شخص جسے بہرحال پاکستان کے اندر اور باہر لوگ کسی نہ کسی حیثیت سے جانتے ہیں وہ کشمیر میں جہاد کرنے کے خلاف ہے؟ اس سے پاکستان کا کون سا مفاد پورا ہوتا تھا اور خود کشمیر کے اندر لڑنے والوں کو اس سے کیا تقویت پہنچی تھی کہ انہیں اس شک میں مبتلا کرنا ضروری سمجھا گیا کہ ایک شخص ان کی جنگ کو جہاد نہیں سمجھتا؟ ـــــ یہ کھیل اس معاملے میں کھیلا جا رہا تھا ۔ میں پشاور سے واپس لاہور آیا ۔ میں نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ ایک سراسر غلط بات مجھ سے منسوب کی جا رہی ہے، مجھے موقع دیا جائے کہ میں ریڈیو پر آ کر خود اس کی تردید کروں، لیکن انکار کر دیا گیا ۔ سوال یہ ہے کہ کیا یہ سب کچھ حکومت اور پاکستان کے مفاد میں تھا یا اس کے خلاف تھا؟ اب آپ خود ہی بتایئے کہ اس کے محرکات کیا تھے؟

ریڈیو پاکستان

اس وقت کے اخبارات کے بارے میں تو یہ تاثر نہیں تھا کہ وہ حکومت کے دباؤ کے سامنے بے بس اور مجبور رہیں ۔ کیا کسی اخبار یا اخبار نویس نے اس سلسلے میں آپ سے کوئی رابطہ قائم کیا جس سے آپ کی تردید سامنے آ سکتی؟

مولانائے محترم

کسی اخبار کی طرف سے کوئی شخص میرے پاس رابطہ قائم کرنے کے لیے نہیں آیا ۔ ہمارا اپنا اخبار "تسنیم" تھا جس کے ذریعے سے ہم اپنے خیالات کا اظہار کر سکتے تھے لیکن اس کو بھی بند کر دیا گیا ۔ تاکہ ہم اپنی بات لوگوں کے سامنے نہ رکھ سکیں ۔ دوسرے اخبارات کا آپ ذکر فرما رہے ہیں ۔ میری بات شاید کسی کو تلخ لگے مگر یہ واقعہ یہی کہ اس زمانے میں اخبارات پر مسلم لیگ کا تعصب طاری تھا اور ان کا طرزِ فکر یہ تھا کہ جو مسلم لیگ سے تعلق نہیں رکھتا وہ ضرور گردن زدنی ہے ۔ اس حالت میں ہماری بات جتنی کچھ لوگوں تک پہنچ سکتی تھی اس کا آپ خود اندازہ کر سکتے ہیں ۔

ریڈیو پاکستان

کیا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ یہ سارا پروپیگنڈا آپ کے خلاف کسی اقدام کی تمہید کے طور پر تھا؟

مولانائے محترم

حالات آپ کے سامنے ہیں ـــــ جس زمانے میں یہ سب کچھ ہو رہا تھا میں دیکھ رہا تھا کہ میرے رفقاء اس

سے پریشان ہیں لیکن میں نے انہیں اطمینان دلایا، اور وہ میرے رفقاءِ خدا کے فضل سے اب بھی موجود ہیں جن سے میں نے یہ بات کہی تھی کہ آپ بالکل پریشان نہ ہوں، ہمارے خلاف جو کچھ کیا جا رہا ہے۔ اس کا ہمیں ذرہ برابر نقصان نہیں پہنچے گا۔ جو کچھ یہ لوگ کرنا چاہتے ہیں کرلیں۔ ان شاء اللہ ہمارے قدم آگے ہی بڑھیں گے اور امر واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہمیں بدنام کرنے کی ان ساری کوششوں کے باوجود ہمارے قدموں کو آگے بڑھنے سے کبھی نہیں روکا جا سکا۔

ریڈیو پاکستان

کیا وہ صاحب جنہوں نے جہاد کشمیر کے سلسلے میں وہ بات آپ سے منسوب کی تھی آپ سے بعد میں کبھی معافی مانگنے بھی آئے تھے؟

مولانائے محترم

جی ہاں، یہ امر واقع ہے کہ ان صاحب نے مجھ سے آکر معافی بھی مانگی لیکن بعد میں جاکر خود ہی اس کی تردید بھی کر دی ـــــ اب میں نہیں کہہ سکتا کہ وہ صاحب کس اثر کے تحت میرے پاس آئے تھے اور پھر کس اثر کے تحت انہوں نے جاکر اس کی تردید بھی کر دی ـــــ لیکن میں نہ کبھی اس بات کا خواہشمند تھا کہ وہ آکر مجھ سے معافی مانگیں اور نہ مجھے اس کی کوئی پروا ہوئی کہ انہوں نے جاکر اس کی تردید کر دی!

ریڈیو پاکستان

مخلوط انتخاب کی مضرتوں کے بارے میں آپ کی جو رائے تھی وہ تو بہرحال اب ایک امر واقعہ ہے، لیکن اس سے پہلے پاکستان میں بعض جزوی نوعیت کے انتخابات ہوتے رہے جن میں جماعت اسلامی نے حصہ لیا۔ اس کے علاوہ عوام و خواص سے رابطے کی دوسری شکلیں بھی جماعت اختیار کرتی رہی ہے جن میں لٹریچر اور اجتماعات وغیرہ بھی شامل ہیں اور جماعت کا ایک اچھا خاصا حلقہء اثر ملک کے اندر محسوس کیا جاتا ہے، لیکن اس کے باوجود آپ کے خیال میں اس کا کیا سبب رہا کہ ۱۹۷۰ء کے انتخابات میں جماعت کو خاطر خواہ کامیابی نہیں ہوئی، اتنی کامیابی بھی نہیں ہوئی جتنی بعض ایسی جماعتوں کو بھی حاصل ہوئی جن کا عوامی رابطہ جماعت کی سطح کا بہرحال نہیں تھا؟

مولانائے محترم

اس کے بہت سے اسباب ہیں۔ ایک بات تو یہ ہے کہ جماعت اسلامی محض انتخاب جیتنے کو اصل کام قرار نہیں دیتی۔ وہ اصل کام اس کو سمجھتی ہے کہ عام لوگوں کی ذہنی تربیت اس انداز سے کی جائے کہ وہ ایک صحیح اور صالح نظام

کے طالب بنیں اور اس نظام کو چلانے کے قابل ہو سکیں۔ اس بنا پر جماعت لوگوں سے غلط قسم کے وعدے نہیں کر سکتی اور نہ لوگوں کو غلط قسم کی توقعات دلا سکتی ہے۔ جماعت اسلامی نے اب تک جس انداز سے ملک میں کام کیا ہے۔ اس کی وجہ سے لوگ اس کے بارے میں ایک واضح رائے رکھتے ہیں۔ جماعت سے کوئی شخص یہ توقع نہیں کر سکتا کہ اگر اس کا کوئی آدمی کسی جرم کی پاداش میں پکڑا جائے گا تو جماعت کا کوئی ایم پی اے یا ایم این اے اس کو قانون کی گرفت سے چھڑوانے جائے گا۔ خدا کا فضل ہے کہ جماعت اسلامی ایک بے داغ اور کھری جماعت ہے۔ وہ سیدھے سیدھے اپنے مقاصد اور اصول لوگوں کے سامنے پیش کرتی ہے۔ اس کے پیش نظر کبھی یہ نہیں رہا کہ وہ کسی نہ کسی طرح انتخاب جیت جائے۔ وہ چاہتی ہے کہ اگر وہ انتخاب میں کامیاب ہو تو صحیح طریقے سے ہو اور اس بات کا انحصار اس چیز پر بھی ہے کہ انتخاب صحیح اصول پر اور صحیح شرائط و حالات کے مطابق ہو۔ آج تک یہاں کوئی انتخاب صحیح طریقے پر (FAIR) نہیں ہوا۔ جس وقت ۱۹۵۱ء میں پنجاب میں پہلے انتخابات ہوئے ہیں اس وقت بدعنوانیوں کے نئے ریکارڈ قائم کیے گئے۔ اس زمانے کے پولیس سپرنٹنڈنٹس کو بلا کر یہ "ہدایات" دے دی گئیں کہ فلاں فلاں حضرات کو جتانا ہے۔ یہ ابتدا تھی اس ملک میں جمہوری تجربے کی۔ اس کے بعد جو آیا اس نے پچھلے تجربات سے فائدہ اٹھا کر اور مزید تحقیقات کر کے ان میں اضافہ کیا اور یہ اضافہ برابر چل رہا ہے۔

ریڈیو پاکستان

لیکن سن ۱۹۷۰ء کے انتخابات کے بارے میں یہ واضح تاثر پایا جاتا ہے، پاکستان کے اندر بھی اور باہر بھی، کہ یہ انتخابات واقعی آزادانہ تھے۔ آپ کی اس تاثر کے بارے میں کیا رائے ہے۔

مولانائے محترم

جہاں تک مشرقی پاکستان کا تعلق ہے وہاں انتخابات ممکن حد تک زیادہ سے زیادہ UNFAIR ہوا۔ مجیب الرحمٰن کی عوامی لیگ کو یہ بالکل کھلی چھٹی دے دی گئی تھی کہ انتخاب میں جو دھاندلی اور زیادتی وہ کر سکتی ہے کر گزرے۔ جگہ جگہ جبر و تشدد سے کام لیا گیا۔ بہت سے مقامات پر ان لوگوں نے دوسری جماعتوں کے پولنگ ایجنٹس کو پولنگ بوتھس میں داخل ہی نہیں ہونے دیا۔ ان کے کیمپ تک جلا ڈالے گئے۔ خیمے اکھاڑ دیئے گئے۔ مسلمان عورتوں کو ووٹ ڈالنے کے لئے گھروں سے تقریباً نکلنے ہی نہیں دیا گیا اور ایسے حالات پیدا کر دیئے گئے کہ کوئی شریف آدمی ان کی اس دھاندلی کو روکنے کی کوشش نہیں کر سکتا تھا۔ اس کے برعکس ہندو عورتیں اس طرح ووٹ ڈالنے کے لئے جاتی رہیں جس طرح چیونٹیوں کی قطار چلتی ہے۔ اس طرح کے اور ہتھکنڈے انہوں نے پوری آزادی سے

اختیار کئے جس کے نتیجے میں یہ ممکن ہی نہ رہا کہ مجیب الرحمٰن کے خلاف عوامی رائے کا کوئی صحیح اظہار ہو سکتا ——

جہاں تک مغربی پاکستان کا تعلق ہے، اس میں شک نہیں کہ یہاں پہلے کے مقابلے میں زیادہ FAIR انتخابات ہوئے لیکن اگر آپ حالات کا ناقدانہ جائزہ لیں تو آپ اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ یہاں بھی انتخابات صحیح نہیں ہوئے۔ دو تین چیزیں یہاں بھی انتخاب کا صحیح نتیجہ برآمد ہونے پر اثر انداز ہوئیں۔ تعلیم یافتہ طبقے کی حد تک، بعض خاص قسم کے گروہوں کو چھوڑ کر، اکثریت نے ووٹ ہمارے حق میں ڈالے، لیکن ان پڑھ طبقے کو مختلف گروہ دھوکا دینے میں کامیاب ہو گئے۔ کسی نے ان کو یہ فریب دیا کہ اگر ہم برسر اقتدار آ گئے تو ہم تمہیں اتنے ایکڑ فی کس کے حساب سے زمین دیں گے، جو ٹیکسی تم چلاتے ہو اور جس مکان میں تم رہتے ہو اس کے تم مالک بنا دیئے جاؤ گے۔ یہ پرچی لے جاؤ، جب ہم کامیاب ہو جائیں گے تو آجانا ہم تمہیں فی کس ساڑھے بارہ ایکڑ زمین دیں گے۔ لوگوں کی ایک بڑی تعداد اس طرح سے ان کے فریب میں آ گئی۔ باقی لوگوں کو مختلف طریقوں سے بہکانے کا کام کچھ دوسرے حضرات نے کیا۔ میں ان کے نام کیا لوں۔ جب کسی قوم کے عمال اس کو دھوکا دینے اور بیوقوف بنانے پر اُتر آئیں تو اس کا جو انجام ہو سکتا ہے وہ آپ سمجھ سکتے ہیں، اور وہ عملاً سب کے سامنے موجود ہے۔ ہمیں اس کا کوئی افسوس نہیں کہ ہم نے اس طرح کے ہتھکنڈے اختیار کر کے ان انتخابات میں کامیابی حاصل نہ کی۔ ہم صرف صحیح طریقے سے اپنی کوشش کرتے چلے جائیں گے اور اس وقت تک یہ کوشش کرتے رہیں گے۔ جب تک کہ ہم اپنی قوم کے ذہن اور مزاج کو نہ بدل دیں۔

ریڈیو پاکستان

اسی انتخاب کے بارے میں ایک سوال اور —— غیر منصفانہ انتخاب ہونے کا ایک مطلب یہ ہوتا ہے کہ حکومت انتخابات کو کسی خاص ڈھب پر لے جانا چاہتی ہے اور ایک شکل وہ ہے جو آپ نے بیان فرمائی کہ انتخاب جیتنے کے لیے غلط طریقے اختیار کیے جائیں۔ جہاں تک ہمارا خیال ہے کہ اس وقت کی حکومت ان انتخابات کو کسی خاص ڈھب پر نہیں لے جانا چاہتی تھی۔ اس لیے ان کو غیر منصفانہ کہنا مشکل ہے۔ آپ کی کیا رائے ہے؟

مولانائے محترم

ہم یہ چاہتے تھے اور اس مقصد کے لئے ہم نے تجاویز بھی پیش کی تھیں کہ انتخابات کو غیر جانبدارانہ اور منصفانہ و آزادانہ بنانے کے لئے انتخابات کا ایک قانون بنایا جائے جس میں انتخاب جیتنے کے مختلف ناروا طریقوں کو ممنوع قرار دیا جائے اور اس میں اس چیز کا اہتمام رکھا جائے کہ اگر کوئی فرد ایسے ناروا طریقے اختیار کرے تو اس پر الیکشن پٹیشن کی جا

سکے۔ اسی طرح قانون میں اس امر کی رعایت بھی ملحوظ رکھی جائے کہ اگر کسی پارٹی کے امیدوار دوسری پارٹی یا اس کے لیڈروں پر جھوٹے الزامات لگا کر ان کو بدنام کرنے کی کوشش کریں تو ان الزامات کے خلاف واقعہ ثابت ہونے یا ان کا ثبوت مہیا نہ ہو سکنے کی صورت میں اس طرح انتخاب جیتنے والوں کا انتخاب کالعدم قرار دیا جا سکے۔ علاوہ ازیں جھوٹا پروپیگنڈا کرنے کو بھی انتخابی قانون کے تحت قابل گرفت بنایا جائے تاکہ رائے عامہ کو گمراہ نہ کیا جا سکے۔ اسی طرح کے بعض اور اقدامات بھی ہم نے تجویز کئے تھے جو منصفانہ انتخابات کی ضمانت بن سکتے تھے لیکن ان میں سے کسی کو پذیرائی حاصل نہ ہوئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ملک بھر میں پوری انتخابی مہم ایک نہایت غلط اور ناپسندیدہ فضا میں چلتی رہی اور بداخلاقی، بدعنوانی اور غنڈہ گردی کو پورا عروج نصیب ہوا۔ ہمارے خلاف دن رات جھوٹا پروپیگنڈہ کیا گیا اور ہر سیٹ اور ہر حربہ لوگوں کو ہم سے بدظن کرنے کے لیے استعمال کر ڈالا گیا لیکن کوئی طاقت ایسی موجود نہ تھی جو اس بدعنوانی کے سدباب کی دیانتدارانہ کوشش کرتی۔ ہر چیز کھلی چھوڑ دی گئی۔ اس فضا میں یہ توقع کیسے کی جا سکتی تھی کہ لوگ موزوں اور مخلص نمائندوں کا انتخاب بے لاگ طریقے سے کر سکیں گے۔ اس بناء پر ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ انتخابات بھی کسی طرح صحیح اور FAIR انتخابات کی تعریف میں نہیں آتے۔ ہمارے نزدیک یہ بات غلط ہے کہ کوئی برسراقتدار گروہ طاقت کے ذریعے سے انتخابات جیتے، یہ بھی غلط ہے کہ کوئی فرد روپے کے زور سے انتخاب میں کامیابی حاصل کرے اور یہ بھی غلط ہے کہ کوئی شخص عوام کو دھوکہ دے کر انتخابات کا نتیجہ اپنے حق میں برآمد کرے۔

سیارہ پاکستان

اب چند سوالات اس موضوع سے ہٹ کر مولانا، آپ نے پاکستان کی حد تک تو اپنی تحریک، تحریک اسلامی کے بارے میں بڑی وضاحت سے معلومات بہم پہنچائی ہیں، لیکن ظاہر ہے کہ اسلامی تحریک جغرافیائی حدود کے اندر پابند نہیں ہو سکتی اس لیے اس کے کچھ عالمی اثرات بھی رونما ہوئے ہوں گے یا آپ نے بطور خاص اس رُخ پر کام کرنے کی کوشش کی ہوگی۔ کیا آپ پاکستان سے باہر اپنی تحریک کے اثرات پر کچھ روشنی ڈالیں گے!

مولانائے محترم

دیکھیے، دُنیا کے حالات ایسے ہیں کہ مسلمان کسی تحریک کو بین الاقوامی پیمانے پر نہیں چلا سکتے۔ دوسری قومیں عالمی سطح پر اپنی تنظیمیں اور ادارے (INSTITUTIONS) قائم کر سکتی ہیں کیونکہ ان کے پیچھے بعض عالمی طاقتیں کام کرتی ہیں، لیکن اسلام کے لئے کام کرنے والوں کے لیے یہ ممکن نہیں۔ غیر مسلم ممالک کا معاملہ پھر بھی مختلف ہے۔ خود مسلمان ممالک بھی اس بات کو برداشت نہیں کرتے کہ ان کے اندر کوئی بین الاقوامی تنظیم قائم ہو اس لئے ہم نے جماعت اسلامی کو بحیثیت جماعت اسلامی پاکستان رکھا ہے۔

اور کسی دوسرے ملک میں اس کی شاخ قائم کرنے کی کوشش نہیں کی۔ البتہ ہمارا لٹریچر وسیع پیمانے پر دُنیا کے مختلف حصوں میں پہنچ رہا ہے۔ اب تک بہت سی غیر ملکی زبانوں میں ہماری متعدد کتابوں کے تراجم شائع ہو چکے ہیں، اس طرح ہمارے افکار دُنیا میں پھیل رہے ہیں۔ ہمارے لٹریچر میں یہ دعوت موجود ہوتی ہے کہ جو لوگ ہمارے خیالات سے متفق ہوں وہ اپنے طور پر اس کام کو آگے بڑھانے کے لئے اپنی کوششوں کو بروئے کار لائیں، لیکن ہم کسی جگہ اپنی جماعت کی شاخ قائم کرنے کی دعوت نہیں دیتے۔ یہ الگ بات ہے کہ بعض ممالک میں "جماعت اسلامی" کے نام سے بالکل جداگانہ تنظیمیں وجود میں آچکی ہیں۔ جن کا نام تو جماعت اسلامی ہی ہے لیکن ان کا کسی قسم کا تنظیمی تعلق ہمارے ساتھ نہیں ہے مثلاً جب پاکستان بنا تو جماعت اسلامی کے جو ارکان ہندوستان میں رہ گئے۔ انہوں نے جماعت اسلامی ہی کے نام سے اپنی الگ تنظیم قائم کر لی۔ اسی طرح سیلون میں جماعت اسلامی کی دعوت سے متاثر لوگوں نے اپنی جماعت بنائی اور اس کا نام جماعت اسلامی رکھ لیا۔ نیپال میں ایک تنظیم جماعت اسلامی کے نام سے قائم ہو چکی ہے۔ لبنان میں ایک جماعت کا نام اَلْجَمَاعَۃُ الْاِسْلَامِیَّۃ ہے۔ ان سب جماعتوں کا ہمارے ساتھ کوئی تنظیمی تعلق تو نہیں ہے البتہ وہ ہمارے لٹریچر سے استفادہ کرتی ہیں۔ بعض دوسرے مقامات پر مختلف گروہ دعوت اسلامی کا کام کر رہے ہیں اور وہ بھی ہمارے لٹریچر سے فائدہ اٹھاتے ہیں الاخوان المسلمون بھی ہمارے لٹریچر سے استفادہ کرتے رہے ہیں اور خود اخوان کے لٹریچر سے دُنیا کے مختلف ممالک میں دعوت اسلامی کا کام کرنے والے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔

ریڈیو پاکستان

مولانا، آپ کے نزدیک اسلامی دُنیا میں اسلام کا مستقبل کیا ہے؟

مولانائے محترم

اسلام کا مستقبل تو ہمیشہ اچھا ہی رہا ہے اور وہ کبھی خراب نہیں ہو سکتا، البتہ مسلمانوں کے مستقبل کا سوال اس سے مختلف ہے مسلمانوں کا مستقبل تو صرف اور صرف اسلام کے ساتھ وابستہ ہے۔ اگر یہ سیدھے سیدھے سچے اور پکے مسلمان بنیں تو ان کا مستقبل بہت اچھا ہے، لیکن اگر یہ مسلمان بھی رہیں اور کام غیر مسلموں کے سے کریں تو ان کو خدا کی طرف سے سزا ضرور ملتی ہے اور وہ مل رہی ہے۔

ریڈیو پاکستان

پاکستان سے باہر اسلامی ممالک میں سے کون سا ملک ایسا ہے جہاں آپ سمجھتے ہیں کہ وہاں تحریک اسلامی کے

اثرات زیادہ قوی پائے جاتے ہیں، اور وہاں اسلامی نظام کے قیام کے امکانات زیادہ ہیں؟

مولانائے محترم

اس کی وضاحت کرنا میں مناسب نہیں سمجھتا!

ریڈیو پاکستان

مولانا آپ کی سیاسی زندگی کا آغاز ہونے سے پہلے آپ کی تصانیف الجہاد فی الاسلام، پردہ، رسالہ دینیات اور بعض دوسری کتابوں کی وجہ سے آپ کی شخصیت علمی لحاظ سے اچھی طرح متعارف ہو چکی تھی۔ بعد کے دور میں جب آپ کی عملی سیاسی زندگی کا آغاز ہوا تو اس زمانے میں بھی آپ نے اپنی بہت سی دوسری تصانیف کے علاوہ اپنی تفسیر قرآن "تفہیم القرآن" کی تکمیل فرمائی۔ کیا آپ اس پر روشنی ڈالیں گے کہ ایک طویل سیاسی جدوجہد کے ساتھ آپ نے تفہیم القرآن کی تکمیل کے لیے کس طرح وقت نکالا اور اس میں کیا مراحل درپیش رہے؟

مولانائے محترم

جب میں یہ سوچتا ہوں کہ میں نے یہ کام کس طرح کیا تو خود میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں یہ کام کیسے کر گیا۔ بس اسے اللہ تعالیٰ کا فضل ہی سمجھنا چاہیئے کہ اس نے مجھے اتنی ہمت اور توفیق بخشی۔ تفہیم القرآن لکھنے کا کام میں نے جماعت اسلامی کی تشکیل کے چند ماہ بعد ہی شروع کر دیا تھا اور یہ زمانہ وہ تھا جب میری زندگی کا سب سے طوفانی دور شروع ہوا۔ یعنی ایک طرف مجھے علمی کام کرنا پڑ رہا تھا اور دوسری جماعت کی تنظیم و تربیت کا مسئلہ درپیش تھا۔ جماعت کی تنظیم و توسیع کے لیے مجھے دورے بھی کرنے پڑتے تھے اور کارکنوں کی تربیت کے طویل و محنت طلب پروگرام بھی نبھانے پڑتے تھے۔ تحریک کے تعارف کے لیے اور اس ضمن میں پیش آمدہ سوالات کے جوابات بھی خطوط کی شکل میں لکھنے پڑتے تھے، بلکہ ابتدا میں تو ایک وقت ایسا تھا کہ حساب کتاب جیسے کام بھی مجھے خود ہی انجام دینے پڑتے تھے اور ان ساری مصروفیات کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف کا کام بھی جاری تھا جو تحریک ہم نے کر اٹھا رہے تھے وہ اس بات کی متقاضی تھی کہ اس کے پیچھے ایسے تشفی بخش لٹریچر کی طاقت بھی موجود ہو جو اس دور کے ذہنوں کو اسلام کی حقانیت اور احیائے اسلامی کی ضرورت پر مطمئن کر سکے بلکہ ان کے اندر اس کے لیے اپنی زندگیوں کو وقف کر دینے کا جذبہ اور عزم و حوصلہ بھی پیدا کر سکے۔ متعدد کتابیں میں نے اس عالم میں لکھیں کہ رات کو عشاء کی نماز کے بعد لکھنے کے لیے بیٹھتا تھا اور صبح کی اذان کے ساتھ اٹھتا تھا۔ پوری پوری رات مطالعہ و تحریر میں گزر جاتی۔ بس ایک وقت تھا جب جسم میں طاقت تھی اور میں یہ سارے کام کر لے گیا، میں نہیں کہہ سکتا کہ کیسے کر لے گیا، لیکن اب میری صحت کا جو حال ہے وہ

اس بات کا ثبوت دیتا ہے کہ میں نے اپنے جسم سے کتنا کام لیا ہے۔ اب میرا جوڑ جوڑ اور عضو عضو مجھ سے اس کا حساب پوچھتا ہے کہ تم نے ہم سے اتنا سخت کام کیوں لیا!

ریڈیو پاکستان

مولانا کبھی کیا اس چیز کا حساب لگایا گیا ہے کہ آپ نے کتنا لکھا ہے اور روزانہ کا اوسط کیا رہا ہے؟

مولانائے محترم

کوئی اندازہ نہیں۔ میں بس لکھتا گیا ہوں اور کبھی حساب لگا کر نہیں دیکھا کہ کتنا لکھا ہے۔

ریڈیو پاکستان

ویسے تو آپ کی تصانیف کا تعلق اصولی طور پر علوم دینی کی تبلیغ و توضیح سے ہے، لیکن کیا اس موضوع سے ہٹ کر بھی آپ نے کبھی کچھ لکھا ہے؟

مولانائے محترم

میں نے اپنے اس موضوع سے ہٹ کر کبھی نہیں لکھا، اور نہ ہر طرح کے موضوعات پر لکھنا کبھی میرے پیش نظر تھا!

ریڈیو پاکستان

ویسے تو علوم دینیہ پر لکھنے والوں کے لیے سب سے بڑا اطمینان یہی ہو سکتا ہے کہ ان کا کام خدا کے ہاں مقبول ہو، لیکن ہمارے ہاں بعض ایسے مصنف بھی ہیں جو یہ گمان رکھتے ہیں کہ انہوں نے تصنیف و تالیف کے میدان میں جو محنت کی وہ ان کی توقع کے مطابق اہمیت و مقبولیت حاصل نہیں کر سکی۔ اس پہلو سے آپ کا ذاتی تاثر کیا ہے؟

مولانائے محترم

میں پوری طرح مطمئن ہوں کہ میری کتابوں کو جس طرح مقبول ہونا چاہیئے تھا وہ مقبول ہوئی ہیں۔ ملک کے اندر بھی اور ملک کے باہر بھی!

ریڈیو پاکستان

ملک کے باہر آپ کی کون سی تصانیف زیادہ شوق کے ساتھ دیکھی گئی ہیں؟

مولانائے محترم

ملک کے باہر ان کتابوں کی پذیرائی اور قبولیت کا زیادہ تر انحصار اس بات پر تھا کہ ان کے تراجم باہر کی

زبانوں میں کس حد تک ہوتے ہیں۔ سب سے زیادہ تراجم عربی زبان میں ہوئے ہیں۔ اس کے بعد فارسی، ترکی اور انگریزی زبان میں ہوئے ہیں۔ بعض دوسری زبانوں میں ایک ایک دو دو کتابوں کے تراجم ہوئے ہیں۔ مثلاً فرانسیسی، جرمنی، اطالوی اور جاپانی وغیرہ میں۔ عربی تراجم سے ترکی اور فارسی میں اور انگریزی تراجم سے بعض یورپی زبانوں اور جاپانی وغیرہ میں ترجمے کیے گئے ہیں۔ سب سے زیادہ زبانوں میں اور سب سے زیادہ تعداد میں چھپنے والی کتاب رسالہ "دینیات" کہی جاسکتی ہے۔

ریڈیو پاکستان

ایک تاثر یہ ہے کہ آپ نے اسلامی نظریہ حیات کی توضیح و تشریح کرتے ہوئے دوسرے نظریات پر جو تنقید کی ہے اس میں بالخصوص سوشلزم کے رد میں بہت کچھ لکھا ہے اور یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اگر اس نظریے کے مخالفین کو اپنے مؤقف کے حق میں دلائل جمع کرنا ہوں تو وہ آپ کی تحریروں سے رابطہ قائم کرتے ہیں۔ اسی سے بات کو آگے بڑھاتے ہوئے بعض لوگ آپ پر یہ الزام رکھتے ہیں کہ آپ سرمایہ داری کے حامی ہیں اور جماعت اسلامی نے انتخابات میں یا عام ملکی سیاست میں جاگیردارانہ اور سرمایہ دارانہ نظام کو سہارا دیا ہے۔ آپ اس سلسلے میں کیا کہنا پسند فرمائیں گے؟

مولانائے محترم

اوّل تو یہ کہنا غلط ہے کہ میں نے غیر اسلامی نظریات اور نظاموں پر تنقید کرتے ہوئے صرف سوشلزم کا ردّ کیا ہے، اتنی ہی سخت تنقید میں نے سرمایہ داری پر کی ہے۔ اگر کوئی شخص دیانتداری سے میرے صحیح مؤقف کو جاننا چاہے تو وہ میری کتابوں سے اس کو بآسانی معلوم کر سکتا ہے۔ سردست اس ضمن میں میں صرف اپنی کتاب "سود" کا حوالہ دینا کافی سمجھتا ہوں۔ جہاں تک عام ملکی سیاست یا انتخابات کا تعلق ہے تو میرا سوال یہ ہے کہ اگر ملک کے جاگیردار، زمیندار اور دوسرے سرمایہ دار مجھ سے خوش تھے تو اس کی کیا وجہ ہے کہ انتخابات میں انہوں نے میرا ساتھ نہیں دیا؟ اس کے برعکس انہوں نے تو ساتھ ان لوگوں کا دیا جو سوشلزم کی باتیں کر رہے تھے۔ یا تو وہ بیوقوف تھے کہ انہوں نے اپنے "دشمنوں" کا ساتھ دینا پسند کیا۔ یا اصل حقیقت کچھ اور ہے ــــ اصل حقیقت یہ ہے کہ وہ اس بات کو خوب جانتے تھے کہ اگر اقتدار جماعت اسلامی کے ہاتھ میں آیا تو ان کی یہ زمینداریاں، یہ جاگیرداریاں اور یہ بڑی بڑی سرمایہ داریاں سب ختم ہو جائیں گی۔ ایک بار میں نے اپنی تقریر میں ان لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا کہ اب تمہاری سرمایہ داریاں زیادہ عرصہ تک قائم نہیں رہ سکیں گی۔ اب تمہارے

سامنے دو راستے ہیں، ایک راستہ اسلام کا ہے اور دوسرا سوشلزم کا۔ ایک طرف ڈاکٹر کا نشتر ہے اور دوسری طرف ڈاکو کا خنجر ــــ ان دونوں میں سے ایک کا انتخاب کر لو ــــ چنانچہ انہوں نے یہ خیال کر کے کہ ڈاکو کے خنجر سے ڈرنے کی کیا ضرورت ہے، ڈاکو کے ساتھ مل جاؤ۔ وہ اپنا خنجر تمہارے ہی حوالے کر دے گا ــــ چنانچہ وہ گئے اور انہوں نے بڑھ کر ان لوگوں کا پرچم تھام لیا جو سوشلزم کا نعرہ بلند کر کے عوام الناس کی ہمدردیاں حاصل کرنے کا گر استعمال کر رہے تھے ــــ ہمارا ساتھ کس سرمایہ دار یا جاگیردار نے دیا ہے؟

ریڈیو پاکستان

مولانا، ابھی تھوڑی دیر پہلے آپ نے فرمایا تھا کہ آپ نے اپنی گزشتہ زندگی میں بڑی محنت اور ریاضت سے کام کیا ہے یہاں تک کہ صحت پر اس کے شدید اثرات پائے جاتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ آجکل اپنی صحت کے موجودہ عالم میں آپ اپنے معاملات اور لکھنے پڑھنے کے کاموں کے ساتھ خود کو کیسے ADJUST کر رہے ہیں؟

مولانائے محترم

اصل میں اللہ تعالیٰ ہی نے ADJUST کر دیا ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ اس نے مجھے کوئی ایسی بیماری نہیں دی ہے جس میں میں اس کے دین کا کام نہ کر سکوں۔ بس ایسی بیماریاں دی ہیں جو صرف میری ذات کو تکلیف دینے والی ہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ ان سے میرے گناہ ہی معاف ہوں گے مثلاً اب میں بیٹھ کر لکھنے پڑھنے کا کام کرتا ہوں اور مجھے کوئی تکلیف یا تکان لاحق نہیں ہوتی لیکن کھڑا ہوں یا چلوں تو قدم قدم پر تکلیف محسوس کرتا ہوں۔ ڈیڑھ منٹ سے زیادہ میں کھڑا نہیں رہ سکتا اور زیادہ دور تک چل نہیں سکتا کیونکہ کسی لمحے بھی سہارے کی ضرورت پیش آجاتی ہے۔

ریڈیو پاکستان

مولانا، آج کل آپ کیا تصنیف فرما رہے ہیں؟

مولانائے محترم

آج کل میں سیرتِ پاک پر کام کر رہا ہوں۔

ریڈیو پاکستان

یہ کام آپ نے تفہیم القرآن کی تکمیل کے بعد شروع کیا ہے؟

مولانائے محترم

جی ہاں، تفہیم القرآن کی تکمیل بھی بڑے غیر یقینی حالات میں ہوئی۔ اس کا آخری حصّہ میں نے دل کا حملہ ہونے کے بعد صحت بحال ہونے پر لکھا۔ بعض اوقات تو یوں لگتا تھا کہ شاید میں اسے مکمل نہ کر سکوں گا۔ لیکن اللہ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے اس کی تکمیل کی طاقت بخش دی۔ اب اس کے بعد سیرت پاک پر کام کر رہا ہوں۔ بہت شروع سے میرا یہ احساس رہا ہے کہ تفسیرِ قرآن کے بعد دوسری چیز لازماً سیرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ جس کی اہمیت ہے اور اسے لکھنا چاہیئے کیونکہ اس کا قرآن مجید کے ساتھ بڑا گہرا تعلق ہے۔ اسی مقصد کے پیشِ نظر یہ لکھ رہا ہوں چنانچہ توقع ہے کہ اگر لوگ اس کو تفہیم القرآن کے ساتھ ملا کر پڑھیں گے تو انشاء اللہ اس سے دین اور دعوتِ اسلامی کی فہم میں مزید مدد ملے گی بلکہ اسلامی سیرت و کردار کی تعمیر کے لئے بہت مفید ہو گی۔

ریڈیو پاکستان

یہ کام کس حد تک ہو چکا ہے؟

مولانائے محترم

مکی دور مکمل کر چکا ہوں اور آجکل مدنی دور کیلئے مواد فراہم کر رہا ہوں۔

ریڈیو پاکستان

اس نشست میں آج ہماری گفتگو میں تحریکِ پاکستان، قیامِ پاکستان کے بعد کے حالات اور جماعت اسلامی کی تحریک اور جد وجہد کے ضمن میں خاصی معلومات ہمارے سامنے آئی ہیں۔ اگر ان سب چیزوں کی روشنی میں یہ سوال کیا جائے کہ اگر جماعت اسلامی پاکستان میں سرگرم عمل نہ ہوتی تو کیا حالات ہوتے، تو اس سلسلے میں آپ کیا ارشاد فرمائیں گے؟

مولانائے محترم

یہ سوال تو کچھ ایسا ہی ہے کہ آپ کسی سے پوچھیں کہ صبح تو پیدا نہ ہوا ہوتا تو کیا ہوتا؟ .....

ریڈیو پاکستان

پھر بھی، ایک تحریک یا جماعت کے بارے میں یہ سوال پیدا تو ہو سکتا ہے۔

مولانائے محترم

جس وقت جماعت اسلامی کی تشکیل کی گئی اور برصغیر کے حالات ایک خاص رُخ پر آگے بڑھ رہے تھے

اُس وقت میرا یہ اندازہ تھا کہ تحریک پاکستان کے نتیجے میں اگر ملک تقسیم ہوا تو ایک علاقہ تو وہ ہوگا جہاں پاکستان بنے گا اور حکومت مسلمانوں کے ہاتھ میں آئے گی۔ وہاں اس علاقے کو ایک حقیقی اسلامی مملکت میں ڈھالنے کا مرحلہ درپیش ہوگا اور دوسرا علاقہ وہ ہوگا جہاں ہندوؤں کی حکومت ہوگی اور اس میں مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد آباد ہوگی۔ ان کے اندر اسلام کے لیے کام کرنے والوں کی ایک منظم جماعت موجود ہونی چاہیئے۔ انہی چیزوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے جماعت اسلامی کی تشکیل کی گئی اور تھوڑے عرصے کے بعد ہی ہمیں اندازہ ہوگیا کہ اگر اس وقت جماعت کی تشکیل وتنظیم نہ کرلی گئی ہوتی تو تقسیم ملک کے بعد نہ ہندوستان کے اندر وہ کام کیا جاسکتا جو بعد میں ہوا۔ اور نہ پاکستان کے اندر وہ کام ہوسکتا جو بعد میں کیا گیا۔ کوئی دوسری جماعت اس مقصد کے لئے منظم میدان میں موجود نہیں تھی ــــــ میں سمجھتا ہوں کہ اگر قیام پاکستان کے بعد جماعت اسلامی نے بروقت ایک منظم طریقے سے اسلامی دستور کا مطالبہ نہ اٹھایا ہوتا تو اس بات کا امکان تھا کہ پاکستان کو ایک سیکولر نیشنل ڈیموکریٹک سٹیٹ قرار دے دیا جاتا کیونکہ بعض ذمہ داران حکومت کی طرف سے مطالبہ دستور اسلامی کی مزاحمت جس انداز سے ہوئی وہ اس امر کی غمازی کرتی تھی کہ ان کے پیش نظر پاکستان کو غیر مذہبی (SECULAR) حکومت بنانا تھا، اسی وجہ سے وہ اسلامی حکومت کے نام سے متوحش ہوتے تھے۔ چنانچہ اگر ایک دفعہ پاکستان کی کوئی سیکولر دستوری بنیاد طے کردی جاتی تو پھر اس کو بدلوانا ناممکن نہیں تو بے حد مشکل ضرور ہوجاتا۔ چنانچہ میں یہ سمجھتا ہوں کہ جماعت اسلامی نے اپنی جدوجہد سے اس نوزائیدہ مملکت کو غلط دستوری بنیاد پر تعمیر ہونے سے روکا بلکہ اس کو مثبت طور پر اسلامی ریاست بنانے کے حق میں رائے عام کو منظم کیا اور بالآخر قرار داد مقاصد کی منظوری کی شکل میں اس کا اسلامی تشخص متعین ہوگیا۔ بصورتِ دیگر یہ خدشہ تھا کہ وہ مقصد ہی فراموش کردیا جاتا جس کے لیے پاکستان کا وجود عمل میں آیا تھا۔

ریڈیو پاکستان

مولانا، آپ اپنی کمزور صحت کی بنا پر جماعت اسلامی کی قیادت سے دستبردار ہوچکے ہیں اور اس اعتبار سے عملی سیاست سے بھی الگ ہوچکے ہیں، اب اس کے بعد جماعت کی امارت اور قیادت دوسرے اصحاب کے ہاتھ میں ہے اور اس پر بھی خاصا وقت گزر چکا ہے۔ اس لحاظ سے اب آپ سے یہ سوال کیا جاسکتا ہے کہ کیا آپ جماعت کی موجودہ کارکردگی سے مطمئن ہیں اور کام آپ کی توقعات کے مطابق ہو رہا ہے؟

مولانا ئے محترم

میں آپ کو پہلے یہ بتا چکا ہوں کہ جماعت اسلامی تقسیم ملک سے بہت پہلے قائم ہوچکی تھی۔ اس وقت میں ہی

اس کا امیر تھا۔ میں نے ہی اس کو منظم کیا اور کارکنوں کی تربیت کی۔ تقسیم کے بعد جماعت اسلامی ہندوستان اٹھائیس سال سے میرے بغیر ہی وہاں پر کام کر رہی ہے اور خدا کے فضل سے بہت اچھا کام کر رہی ہے۔ یہاں پاکستان میں بھی اب کئی سال سے جماعت دوسرے لوگوں کی قیادت میں کام کر رہی ہے اور میں اس کی کارکردگی سے پوری طرح مطمئن ہوں۔ خدا کے فضل سے یہ ایک خود کار نظام ہے اور انشاء اللہ یہ نظام ٹھیک بنیادوں پر ہی قائم رہے گا۔

ریڈیو پاکستان

قیام پاکستان کے ۲۴ سال بعد مشرقی پاکستان کا سقوط ہماری ملی تاریخ کا ایک بہت المیہ ہے۔ شاید سب سے بڑا۔ اس سے لوگوں میں سیاسی اور دینی اعتبار سے ایک مایوسانہ تاثر پایا جاتا ہے۔ اس المیہ کو روکنے کے لیے محب وطن عناصر نے جو بیش بہا قربانیاں دیں۔ بالخصوص جماعت اسلامی اور البدر کے نوجوانوں نے، وہ بھی ہماری تاریخ کا ایک قیمتی باب ہیں لیکن ہمارے ہاں ایک ایسا عنصر بھی پایا جاتا ہے جو جماعت اسلامی اور دوسری دینی تنظیموں پر نظریاتی تشدد کا الزام رکھتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ اس نظریاتی تشدد نے بھی وہاں کے علیٰحدگی پسندوں کے لیے سازگار فضا فراہم کی ــــ آپ کی کیا رائے ہے؟

مولانائے محترم

ہماری طرف سے کوئی نظریاتی تشدد وہاں نہیں ہوا۔ یہ قطعاً ایک بے اصل بات ہے۔ اصل صورت یہ تھی کہ عوامی لیگ مسلسل وہاں غنڈہ گردی کر رہی تھی اس نے پوری کوشش کی کہ اسلام کا نام لینے والوں کو دبا دیا جائے اور اس مقصد کے لیے اس نے ہر اوچھا حربہ اختیار کیا۔ قتل و غارت کا بازار گرم کیا۔ ہمارے بے شمار کارکن ان کے تشدد کا شکار ہوئے۔ طالب علم رہنما عبدالمالک کو شہید کیا گیا اس کے قاتل نشاندہی کے باوجود قانون کی گرفت سے محفوظ دندناتے پھرتے رہے اسی طرح اور بھی بہت سے افراد شہید کر ڈالے گئے اور ان سب کا جرم یہ تھا کہ وہاں اسلامی اقدار کو بلند دیکھنا چاہتے تھے ــــ جماعت اسلامی جو کام وہاں کر رہی تھی وہ یہ تھا کہ اس نے تعلیم یافتہ طبقہ کو اسلام سے روشناس کرانے کے لیے بنگلہ زبان میں اسلامی لٹریچر تیار کیا کیونکہ بنگلہ زبان میں اس کی شدید کمی تھی۔ ہم نے تقریباً ۸۰ کتابیں شائع کیں۔ تب وہاں خدا کے فضل و کرم سے تعلیم یافتہ طبقے میں ایک خاصا گروہ ایسا تیار ہو گیا جو اسلامی نظام کا حامی تھا اور پاکستان کو متحد دیکھنا چاہتا تھا۔ اس طرح طلبہ کے اندر بھی اسلام کے پرستار نوجوانوں کی ایک اتنی بڑی جماعت تیار ہو گئی کہ طالب علموں کی

دوسری بہت سی تنظیمیں مل کر بھی تعلیمی اداروں کے انتخابات میں ان کو شکست نہ دے سکیں۔ اس کے بعد یعنی سنہ ۱۹۷۰ء کے انتخابات کے بعد جب وہاں ایک سیاسی طوفان آ ہی گیا تو جماعت اسلامی اور اسلامی جمعیت طلبہ کے کارکنوں نے مشرقی پاکستان کو ہندوستان کی گود میں جانے سے بچانے کے لیے اپنی جانیں لڑا دیں سینکڑوں نہیں ہزاروں افراد جام شہادت نوش کر گئے۔ یہ ایک ایسی کھلی شہادت ہے جس کی کوئی انصاف پسند آدمی تردید نہیں کر سکتا۔ متحدہ پاکستان کو بچانے کی اس مجاہدانہ سرگرمی کو اگر کوئی شخص نظریاتی تشدد کا نام دیتا ہے تو یا اس کے اپنے دماغ کی کجی ہے یا فریب کاری ہے، اصل حقیقت پر اس سے پردہ نہیں ڈالا جا سکتا۔ پاکستان کے دفاع کے لیے جو کچھ ہم کر سکتے تھے وہ ہم نے کیا اور ہم اس پر مطمئن ہیں کہ ہم نے اپنا فرض انجام دیا۔

ریڈیو پاکستان

مولانا، ہم اس پر مایوسانہ تاثر کا ذکر کر رہے تھے جو سقوط مشرقی پاکستان کے بعد یہاں پیدا ہوا۔ اس سلسلے میں بعض لوگ یہ بھی کہتے ہوئے سُنے جاتے ہیں کہ یہاں بھی اسی قسم کے حالات پیدا ہو رہے ہیں جس قسم کے مشرقی پاکستان میں ہوئے تھے آپ کا کیا خیال ہے؟

مولانائے محترم

ہو نہیں رہے ہیں، افسوس اس بات کا ہے کہ پیدا کیے جا رہے ہیں۔

ریڈیو پاکستان

دونوں صورتوں میں بات ایک ہی ہے۔

مولانائے محترم

نہیں، دونوں صورتوں میں فرق ہے۔ اگر ایسے حالات پیدا ہو رہے ہوں تو ان کا علاج آسانی سے ہو سکتا ہے۔ لیکن اگر پیدا کیے جا رہے ہوں اور پیدا کرنے والے وسائل اور اختیارات بھی رکھتے ہوں تو پھر علاج آسان نہیں رہتا۔ اگر کچھ لوگ ملک میں علیحدگی پسندی کے رجحانات کو اُبھار رہے ہوں اور جو لوگ ان رجحانات کو دبانے کی کوشش کر رہے ہوں ان کو تشدد کا نشانہ بننا پڑے اور سرکاری مشینری اس کی مؤثر روک تھام کے لیے تیار نہ ہوں تو آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ نتائج کیا ہو سکتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ علیحدگی پسندی کے رجحانات کو ابھرنے اور تقویت پکڑنے کے پورے مواقع دیے جا رہے ہیں اور

ایک طرح سے ان کی سرپرستی کی جارہی ہے۔ اس طرح پاکستان کی بنیادوں میں ایک آتش گیر مادہ داخل کیا جارہا ہے جو معلوم نہیں کب بھڑک اٹھے ۔

ریڈیو پاکستان

مولانا، آپ ان لوگوں سے یقیناً واقف ہیں جو یہاں حکومت بدلنے کے لیے " انقلاب بندوق کی نالی سے جنم لیتا ہے " جیسے نظریات رکھتے ہیں ۔ ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ یہاں ابھی ہمارا مطلوبہ انقلاب آیا نہیں اس کو لانا ہے ۔ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ ایسے لوگوں کا مقابلہ کرنے کے لیے سازگار فضا موجود ہے ؟

مولانائے محترم

ہم اپنی حد تک کوئی ایسا کام نہیں کرنا چاہتے جس سے فتنے کی آگ بھڑک اٹھے ۔ لیکن اگر ایسی آگ بھڑکانے کی کوشش کی گئی تو ہم اس کو بجھانے کے لیے کسی قسم کی قربانی سے دریغ نہیں کریں گے ـــ ہماری کوشش یہ ہے کہ یہاں اس قسم کے حالات پیدا نہ ہوں ۔ جیسے مشرقی پاکستان میں پیدا ہوئے لیکن اگر خدانخواستہ ایسا ہوا تو ہم ان کا ہر طرح مقابلہ کریں گے اور اس سرزمین میں ہم نے دعوتِ اسلامی کے جو بیج ڈالے ہیں وہ ضائع نہیں جائیں گے ، انشاءاللہ وہ ضرور بارآور ہوں گے ! ـــــ آپ کو شاید یہ معلوم نہیں ہے کہ جو شراب مجیب الرحمن نے مشرقی پاکستان کے لوگوں کو پلائی تھی ، وہ عارضی طور پر تو اس سے کام لے گئے لیکن متحدہ پاکستان سے علیحدگی کے بعد یکایک ! لوگوں کو یہ محسوس ہوا کہ ہمارے ساتھ دھوکہ ہوا ہے اس کے بعد بڑے بڑے بنگلہ دیشی جو بنگالی نیشنلزم کے علمبردار تھے وہ جماعت اسلامی کے لوگوں کے پاس آکر یہ کہتے ہیں کہ تم جو بات کہہ رہے تھے وہ بالکل برحق تھی ۔ یہ احساس اب روز بروز ان کے اندر تقویت پکڑ رہا ہے اور اللہ نے چاہا تو وہاں حالات بدلیں گے ۔

ریڈیو پاکستان

ایک زمانے میں آپ کے خلاف یہ پراپیگنڈا کیا جاتا رہا کہ آپ مجددیت یا مہدویت کا دعویٰ کرنے والے ہیں اور اس کے جواب میں آپ نے کہیں یہ لکھا تھا کہ میں اس قسم کے کسی دعوے سے بھی اپنا دامن پاک رکھتے ہوئے خدا کے ہاں حاضر ہو جاؤں گا اور پھر دیکھوں گا کہ اس طرح کی بے سروپا الزام تراشیاں کرنے والے حضرات خدا کو کیا جواب دیتے ہیں ۔ پھر ایک موقع پر آپ کے مخالفین کی طرف سے کچھ ایسا تاثر

دینے کی کوشش کی گئی کہ جماعت اسلامی ایک فرقہ ہے یا فرقہ بن جائے گی۔ اس طرح کی باتیں شاید اس وجہ سے کی جاتی رہی ہیں کہ جماعت اسلامی کے قیام کے بعد سے آپ ہی مسلسل اس کے امیر چلے آئے ہیں، اب چند سالوں کا عرصہ چھوڑ کر جب کہ آپ امیر نہیں رہے ہیں۔ اس سلسلے میں آپ کیا ارشاد فرمائیں گے۔

مولانائے محترم

جماعت اسلامی کو فرقہ مشہور کرنے یا اس پر یہ الزام چسپاں کرنے کی کوشش تو ہندوستان میں اس کے باوجود کی جاتی رہی ہے کہ میں وہاں کی جماعت کا امیر نہیں تھا۔ بات دراصل یہ ہے کہ یہ بعض تنگ نظر مذہبی طبقوں کے خاص ہتھکنڈے ہوتے ہیں کسی فرد یا گروہ کو بدنام کرنے کے لئے مثلاً کسی کے اوپر یہ الزام چسپاں کر دیا جائے کہ وہ کوئی دعویٰ کرنے والا ہے یا کسی گروہ یا جماعت کے بارے میں غلط فہمی پھیلائی جائے کہ وہ ایک فرقہ بن رہی ہے یہ کچھ اس طرح کے ہتھکنڈے ہیں جس طرح کمیونسٹ اپنے مخالفین کو بدنام کرنے کے لیے استعمال کرتے ہیں مثلاً کسی کو امریکہ کا ایجنٹ کہہ دینا، کسی کو سرمایہ داروں اور جاگیرداروں وغیرہ کا ایجنٹ اور وظیفہ خور کہہ دینا اور اس طرح کی بعض دوسری مخصوص پھبتیاں جو اپنے مخالفین کو عوام کی نظروں میں گرانے کے لیے کسی جاتی ہیں۔ ایسے ہی بہت سے بے سروپا اتہام ہم پر بھی لگائے جاتے رہے ہیں اور ان کے مسکت جوابات ہماری طرف سے سامنے آجانے کے باوجود ان کو دہرایا جاتا رہا ہے۔ ہندوستان میں بھی بعض حضرات نے یہ مشغلہ اپنا رکھا ہے اور یہاں بھی لیکن خدا کے فضل سے جو لوگ جماعت اسلامی کی دعوت اور طریقہ کار سے واقف ہیں، وہ ان ہتھکنڈوں کو اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ جب تک جماعت اسلامی کے کارکن اور متفقین عام مسلمانوں کے ساتھ مسجدوں میں نمازیں ادا کر رہے ہیں اس وقت تک کوئی معقول آدمی جماعت اسلامی پر یہ الزام چسپاں نہیں کر سکتا کہ وہ ایک فرقہ بن رہی ہے اور دلچسپ بات یہ ہے کہ جماعت اسلامی پر فرقہ بننے کا الزام وہ لوگ رکھتے ہیں جنہوں نے خود اپنی الگ الگ مسجدیں بنا رکھی ہیں اور اپنے مسلک کے خلاف مسلک رکھنے والوں سے اپنی نمازیں الگ کر لی ہیں جب کہ جماعت اسلامی سے تعلق رکھنے والے لوگ عام مسجدوں میں سب کے ساتھ نماز ادا کرتے ہیں۔

ریڈیو پاکستان

مولانا، آپ جمہوری طریقوں پر غیر متزلزل یقین رکھتے ہیں اور آپ کے اس یقین میں تبدیلی کا کوئی امکان آپ کے طریق کار کو دیکھتے ہوئے نہیں سمجھا سکتا۔ آپ کا کیا خیال ہے کہ جس رفتار سے تحریک

اسلامی کا کام ہو رہا ہے اس کے پیش نظر اسلامی نظام کے قیام کب تک امکان ہو سکتا ہے؟

مولانائے محترم

ہو سکتا ہے اس کام میں دس سال لگیں، ہو سکتا ہے بیس سال لگیں اور ہو سکتا ہے کہ پچاس سال لگیں۔ بہرحال میں سمجھتا ہوں کہ تحریک اسلامی فطری رفتار سے آگے بڑھ رہی ہے اور اپنے وقت پر اس کے نتائج ظہور پذیر ہو کر رہیں گے۔ اگر ہم جلد بازی میں غیر فطری رفتار اختیار کرنے کی کوشش کریں گے تو اس کے اثرات البتہ اچھے نہیں ہوں گے۔

ریڈیو پاکستان

جمہوری طریق کار پر آپ کے پختہ یقین کو دیکھ کر آپ کے بعض مخالف یہ کہتے ہیں کہ ٹھیک ہے آپ ایک بڑے عالم دین ہیں لیکن آپ کو سیاست نہیں آتی؟

مولانائے محترم

میں نے تو کبھی اس کا دعویٰ نہیں کیا۔

ریڈیو پاکستان

دعوے کی بات اور ہے لیکن کیا آپ کی سیاست ان لوگوں سے مختلف کوئی چیز ہے جو یہ کہتے ہیں کہ آپ کو سیاست نہیں آتی، یا ان کے نزدیک سیاست کسی اور چیز کا نام ہے۔

مولانائے محترم

میں یہ سمجھتا ہوں کہ جو سیاست دان ہونے کے مدعی ہیں وہ سیاست کو ذرا کم ہی جانتے ہیں۔ مجھے معلوم ہے اصل سیاست دان کون ہوتے ہیں۔ میں نے سیاست دانوں کے حالات بھی پڑھے ہیں اور ان کے کارنامے بھی، اور ان لوگوں کے کارنامے بھی میری نظر میں ہیں جو سیاستدان ہونے کے مدعی ہیں، اس بنا پر میری رائے یہ ہے کہ فی الواقع وہ لوگ سیاست دان نہیں ہیں جو یہ دعویٰ رکھتے ہیں۔ مجھے خود اپنے سیاست دان ہونے کا دعویٰ نہیں ہے۔ میں تو دراصل خدا کے دین کو غالب کرنے کی کوشش کر رہا ہوں اور اس مقصد کے لیے جتنی سیاست مطلوب ہے اتنی سیاست میں جانتا ہوں اس کے سوا کوئی سیاست ہے تو اس سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے۔

ریڈیو پاکستان

کیا یہ ایک فطری امر نہیں ہے کہ ایک انسان جس مقصد کے لیے کام کر رہا ہو وہ اس کے نتائج کو بھی دیکھنے کا خواہش مند ہوتا ہے؟

مولانائے محترم

خدا کے دین کا کام بڑا صبر چاہتا ہے!

ریڈیو پاکستان

تو گویا آپ اپنے متفقین اور معتقدین کو اقتدار کی نہیں بلکہ صرف آخرت کے اجر کی توقع دلاتے ہیں؟

مولانائے محترم

اصل چیز تو وہی ہے، باقی رہی دنیا کی کامیابی، تو وہ بھی ہو سکتی ہے، اور ایسا نہیں کہ وہ نہ ہو سکے لیکن بہر حال اس کی کچھ شرائط ہیں۔ وہ شرائط جب پوری ہو جائیں گی تو دنیا میں بھی انشاءاللہ کامیابی حاصل ہو جائے گی ـــــ لیکن ایک سچے مسلمان کے سامنے دنیا کی کامیابی اصل چیز نہیں ہے۔ اصل اور مقدم چیز تو آخرت کی کامیابی ہے اور ایک مسلمان کو اسی کے پیش نظر کام کرنا چاہیئے!

ریڈیو پاکستان

مولانا، ہم آپ کی تصانیف کا ذکر اتنی دیر کرتے رہے ہیں لیکن آپ کا ایک مقام ایک بلند پایہ مقرر کی حیثیت سے بھی ہمارے سامنے ہے۔ مجھے یاد پڑتا ہے کہ میں غالباً، اکتوبر ۱۹۵۸ء کو موچی دروازے میں آپ کی ایک تقریر کی رپورٹنگ کر رہا تھا۔ وہاں سے اخبار کے دفتر میں پہنچ کر میں اس خبر کو مرتب کر رہا تھا اس میں آپ نے فرمایا تھا کہ اگر ملکی حالات اسی رُخ پر آگے بڑھتے رہے تو کوئی عجب نہیں کہ فوج اقتدار پر قابض ہو جائے.....

مولانائے محترم

میں نے کہا تھا کہ ہو سکتا ہے کہ یہ انقلاب آج رات کو ہو جائے۔

ریڈیو پاکستان

جی ہاں، ہم اس تقریر کو لکھ رہے تھے اور اسی دوران میں یہ خبر آگئی کہ ملک کا اقتدار فوج نے سنبھال لیا ہے ـــــ آپ کی اس سیاسی بصیرت اور بلند مقررانہ مقام کو دیکھتے ہوئے بعض وقت یہ خیال آتا

ہے کہ جماعت اسلامی میں اس پائے کے اور کوئی مقرر نہیں ابھر سکے جبکہ آپ نے جماعت کی تربیت پر خاصی محنت صرف فرمائی ہے۔

مولانائے محترم

اللہ نے چاہا تو ایسے آدمی ضرور تیار ہوں گے اور اس وقت بھی خدا کے فضل سے جماعت کے اندر بہت سے اچھے مقرر موجود ہیں۔ میں نے جو کچھ کوشش کی ہے وہ یہ ہے کہ جماعت اسلامی کے اندر ایسے مقررین تیار ہوں جو ذمہ داری کا احساس رکھتے ہوئے بات کریں۔ ایک ایک لفظ یہ سمجھتے ہوئے زبان سے نکالیں کہ قیامت کے روز اس کی جواب دہی کرنی ہے۔ گالیاں اور غیر سنجیدہ باتیں ان کی زبان سے ادا نہیں ہونی چاہئیں۔ ان کو دوسروں پر جھوٹے الزام نہیں رکھنے ہیں۔ لوگوں کو طعن و تشنیع کا نشانہ نہیں بنانا ہے عوام کو بیوقوف بنانے کی کوشش نہیں کرنی ہے۔ بلکہ ان کے پیش نظر صرف یہ ہونا چاہیئے کہ بالکل ایمان داری اور معقولیت کے ساتھ نہایت بچے تلے الفاظ میں اپنا مؤقف لوگوں کے سامنے پیش کرنا ہے، ان کو اپنی بات خیر خواہی کے جذبے کے ساتھ سمجھانے کی کوشش کرنی ہے ۔ اول اول بعض حضرات کا یہ خیال تھا کہ ہماری یہ روکھی پھیکی تقریریں لوگوں کو متاثر نہیں کر سکیں گی کیونکہ وہ چٹپٹے دار تقریریں سننے کے عادی ہو چکے ہیں لیکن ہم نے یہ بات عملاً ثابت کی ہے کہ لوگ سنجیدہ اور پُرمغز تقریریں بھی پورے انہماک سے سُن سکتے ہیں اور وہ ہمارے جلسوں میں اس طرح جم کر بیٹھتے ہیں کہ (PIN DROP SILENCE) کی کیفیت ہوتی ہے۔ جب تک ہماری بات ختم نہیں ہوتی وہ اٹھ کر نہیں جاتے MOB LEADERS کی تقریروں میں تو وہ اکثر کھڑے رہتے ہیں بلکہ چلتے پھرتے رہتے ہیں لیکن جس طرح کی ذمہ دارانہ اور سنجیدہ تقریریں ہمارے سٹیج سے ہوتی ہیں وہ بڑے انہماک اور دلچسپی سے سنتے ہیں۔ ہم اسی انداز خطابت کو دراصل اپنے مقصد کے لیے مفید سمجھتے ہیں اور اسی سے لوگوں کی ذہنی تربیت کا کام لیا جا سکتا ہے۔

ریڈیو پاکستان

ہمارا مشاہدہ ہے کہ آپ کی تقریر کا انداز بڑا دھیما اور غیر ضروری نشیب و فراز سے منزہ ہوتا ہے اور اس میں دلائل ایک خاص منطقی ترتیب سے سامنے آتے ہیں۔ تجربہ یہ ہے کہ اگر آپ کی کسی تقریر کو احتیاط کے ساتھ نوٹ کر کے مرتب کیا جائے تو وہ ایک مربوط مضمون کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ کیا آپ اپنی تقریر سے پہلے اس کو خصوصی طور پر تیار کرتے ہیں؟

مولانا ئے محترم

میں اپنی تقریر کے نکات اور مدارج بس اپنے ذہن میں مرتب کر لیتا ہوں۔ جب کوئی چیز میرے ذہن میں مرتب ہو جاتی ہے تو پھر چاہے اس کو کاغذ پر منتقل کرنا ہو یا تقریر کی شکل میں پیش کرنا ہو وہ اس ترتیب سے میں بیان کر دیتا ہوں۔ صرف پہلے سوچ کر اُسے اپنے ذہن میں مرتب کرنا ہوتا ہے۔

ریڈیو پاکستان

مولانا، آپ کی تقریریں کافی حد تک غیر جذباتی ہوتی ہیں لیکن اس کے باوجود نوجوان آپ سے بہت زیادہ متاثر ہیں جبکہ ان کے جذبات بہت شدید ہوتے ہیں اور وہ ٹھوس تقریریں سننے یا علمی تحریریں پڑھنے کے زیادہ عادی نہیں ہوتے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟

مولانا ئے محترم

اچھا ہوتا کہ آپ یہ سوال انہی سے کرتے کہ وہ کیوں متاثر ہیں۔ شاید سوداؔ کے بقول یہ بات ہو کہ ؎

سوداؔ جو ترا حال ہے اتنا تو نہیں وہ
کیا جانیے تُو نے اسے کس آن میں دیکھا

میرا خیال یہ ہے کہ ہمارے ہاں کا ہر طالب علم گہرے اسلامی جذبات لئے ہوئے شعور کی منزل میں داخل ہوتا ہے۔ بچپن ہی سے اسلام اس کے رگ و پے میں سرایت کئے ہوتا ہے۔ تعلیم کی اعلیٰ منازل میں جا کر یعنی سکول، کالج اور یونیورسٹی کی سطح پر جب وہ ایسی چیزیں دیکھتا ہے جو اسے دین سے برگشتہ اور منحرف کرنے والی ہوتی ہیں تو وہ آسانی سے ان سے متاثر نہیں ہو جاتا کیونکہ اس کا ضمیر اس کو اسلام سے دُور جانے سے روکتا ہے۔ اس عالم میں اگر اس کو کوئی ایسا شخص مل جائے یا ایسے لٹریچر کے مطالعہ کا موقع مل جائے جو اسے معقول طریقے سے اسلام کی حقانیت سے آگاہ کر دے تو پھر وہ پورے اطمینان اور یکسوئی کے ساتھ اسلام پر جم جاتا ہے اور ہر چیز کو رد کر دینے کے قابل ہو جاتا ہے جو اس کو اسلام سے پھیرنے والی ہو۔ میرے خیال میں یہی بنیادی سبب ہے نوجوانوں کے اسلام سے گہری وابستگی کا، یا آپ کے لفظوں میں مجھ سے متاثر ہونے کا، کیونکہ ایک غیر صحتمند ماحول اور غلط نظریات کے اثرات سے دامن بچا کر جب ایک نوجوان شعوری طور پر اسلام پر پختہ ایمان لے آتا ہے تو اس کا یہ ایمان ہی اسے ہمارے ساتھ وابستہ رکھتا ہے کیونکہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ ہم نے اس کی ایک قابلِ قدر خدمت انجام دی ہے۔

ریڈیو پاکستان

مولانا، یہ بات باعث تعجب ہے کہ ہمارے انحطاط پذیر معاشرے میں طالب علموں کے اندر ایسا پاکیزہ عنصر موجود ہے جبکہ نوجوانوں کے بارے میں عام تاثر یہی پایا جاتا ہے کہ ان کے اطوار اچھے نہیں ہیں اور دین و اخلاق سے بے گانگی بڑھ رہی ہے اس پر سنجیدہ فکر حضرات بجا طور پر تشویش کا اظہار کرتے رہتے ہیں۔ اس سلسلے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

مولانائے محترم

ہمارے معاشرے میں نوجوانوں کی جس کیفیت کا آپ ذکر کر رہے ہیں یہ اس سے دس گُنی زیادہ ہوتی اگر اسلام کے حق میں منظم طریقے سے کام کرنے کے لیے تحریک اسلامی میدانِ عمل میں موجود نہ ہوتی۔ پاکستان کے اندر غیر اسلامی رجحانات کو روکنے کے لیے جماعت اسلامی اوّل روز سے یہاں کام کر رہی ہے۔ طالب علموں کے اپنے دائرہ عمل میں اسلامی جمعیت طلبہ پاکستان گزشتہ چھبیس ستائیس سال سے سرگرم کار ہے ان کوششوں کے نتیجے میں طلبہ کا ایک گروہ تو یہ ہے جس نے اپنی زندگیوں کو اسلامی طرز پر ڈھال لیا ہے۔ ایک گروہ وہ ہے جس کے خیالات کی اصلاح تو ہو چکی ہے لیکن ابھی وہ ماڈرن تہذیب کے اثرات سے پوری طرح آزاد نہیں ہوا۔ تاہم توقع ہے کہ آہستہ آہستہ اس کے اندر بقیہ مطلوبہ تغیر بھی پیدا ہو جائے گا اور وہ پوری طرح اسلام کے رنگ میں رنگ جائے گا —— اور ایک گروہ ایسے نوجوانوں کا ہے، اور یہ امر اطمینان بخش ہے کہ یہ ایک قلیل عنصر ہے، جو واقعی بے دین ہیں اور ان کو بے دینی کی طرف لے جانے والی چیز وہ بد اخلاقی ہے جس میں مختلف عناصر ان کو مبتلا کرنے کا کام کر رہے ہیں لیکن خدا کا فضل ہے کہ ایسے لوگ اقلیت میں ہیں اور اسلام سے محبت رکھنے والے اور اسلام پر کاربند نوجوانوں کی اکثریت ہے اور ان شاء اللہ وہ اقلیت بھی آہستہ آہستہ اس اکثریت میں مدغم ہوتی چلی جائے گی۔

ریڈیو پاکستان

مولانا، ہمارا خیال ہے کہ ہم نے آپ کا دو گھنٹے سے زیادہ وقت بلکہ ڈھائی گھنٹے کے لگ بھگ وقت لے لیا ہے، یہ جانتے ہوئے بھی کہ آپ کی صحت کمزور ہے اور آپ نے اس دوران میں دوا بھی استعمال فرمائی ہے غالباً یہ آپ کے دوا کے استعمال کا اور آرام کا وقت تھا اس پر ہم دلی معذرت کے خواستگار ہیں اور آپ کا شکریہ بھی ادا کرتے ہیں کہ آپ نے ہمیں اتنا وافر وقت عنایت فرمایا۔ توقع ہے کہ آپ کے یہ خیالات سننے والوں کے لئے بہت دلچسپی اور افادے کا موجب ہوں گے اور وہ ان سے بہت کچھ حاصل کر سکیں گے۔ آپ کے معمولات اور

آرام میں جو خلل اس طویل گفتگو سے واقع ہوا ہے اس پر ہم ایک دفعہ پھر معذرت خواہ ہیں اب اجازت عطا فرمایئے ۔

مولانائے محترم

میں آپ حضرات کا بہت شکر گزار ہوں کہ آپ نے مجھے اپنے خیالات اس شرح و بسط کے ساتھ پیش کرنے کا موقع دیا۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ بھی ایک خدمت ہے جو مجھے انجام دینی چاہیئے تھی ۔

سالانہ خریداروں کے لیے رعایت

جو حضرات انٹرویو نمبر سے ترجمان القرآن کے سالانہ خریدار بنیں گے اُنھیں زرِسالانہ میں سے انٹرویو نمبر روانہ کیا جائے گا۔

زرِسالانہ مبلغ ۲۰/- روپے بذریعہ منی آرڈر، بنک ڈرافٹ یا کراس چیک بنام منیجر ماہنامہ **ترجمان القرآن** لاہور کے پتے پر ارسال کریں!

تفہیم القرآن

کے اجزاء

****

تفسیر پارۂ اوّل	۶/۵۰ روپے
تفسیر سورہ الفاتحہ والبقرہ	۹/- "
تفسیر سورہ التوبہ	۶/۵۰ "
تفسیر سورہ الفرقان	۳/- "
تفسیر سورہ لقمان	۲/- "
تفسیر سورہ یٰسٓ	۲/۲۵ "
تفسیر سورہ الفتح	۲/۲۵ "
تفسیر سورہ الحجرات	۲/۵۰ "
تفسیر سورہ الرحمٰن	۲/۲۵ "

ضروری اعلان

جن دوستوں کے پاس مولانا محترم کی کوئی تقریر یا کوئی پیغام یا کوئی درس ٹیپ شدہ ہو وہ ادارہ ترجمان القرآن کو اپنی ٹیپ عاریتاً بھیج دیں۔ ہم ان کو ٹیپ ریکارڈ کر کے شکریے کے ساتھ واپس کردیں گے۔ کیونکہ ہم مولانا محترم کی لائبریری میں ایک حصہ ان کیسٹوں کا بنا رہے ہیں۔ اور جلد ہی مولانا کی لائبریری عوام الناس کے استفادہ کے لیے کھول دی جائے گی۔

شکریہ

حسین فاروق مودودی

اہم اعلان

ہمارے علم میں یہ بات آئی ہے کہ کچھ لوگ مولانا محترم کی تقاریر اور درسِ قرآن وغیرہ ٹیپ کروا کر فروخت کر رہے ہیں یا فروخت کرنے کا پروگرام بنا رہے ہیں۔ ہم اپنا یہ قانونی حق محفوظ رکھتے ہیں کہ اس طرح کا کوئی کام مولانا کے قانونی ورثاء کی اجازت کے بغیر نہ کیا جائے۔ خلاف ورزی کرنے والے کے خلاف قانونی چارہ جوئی کی جا سکتی ہے۔

کچھ کتابیں ایسی دیکھی گئی ہیں جن پر مولانا محترم کا نام بطور مصنف لکھا گیا ہے۔ یہ کام غیر قانونی ہے۔ ایسے لوگوں کے خلاف قانونی کارروائی کی جائے گی۔

حسین فاروق مودودی